کوشش کیگئی ہے، یہ رسالہ منطق کی ابتدائی کتابین ایساغوجی اور تہذیب وغیرہ پڑھنے والے طلبہ کے لیے بطور کلید کام دے سکتا ہے،

بچون کا قاعدہ، مؤلفہ مولوی سید مختار احمد و مولوی ذہین صاحب، حجم ۳۲ صفحے، لکھائی چھپائی، بچون کے مناسب، قیمت درج نہین، ناشر مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد نے یہ رسالہ بچون کے لیے مرتب کرایا ہے، جو حروفِ تہجی سے شروع ہوتا ہے، اور جدید طریقۂ تعلیم پر ترتیب پایا ہے، لیکن یہ رسالہ کی کوئی ایسی خصوصیت سمجھ مین نہین آئی، کہ بچے بچون مین سے خصوصیت کے ساتھ "بچون" کی طرف منسوب کیا جائے،

مخزنِ ادب، مؤلفہ جناب ڈاکٹر حافظ محمد عبد الرشید صاحب ایس ایس ایم اے ایل آئی جی، ناشر دی ایجوکیشنل بک ہاؤس، سول لائن علیگڈھ، حجم ۲۷۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت درج نہین ہے،

"مخزنِ ادب" انگریزی اسکولون کی ساتوین آٹھوین جماعتون کے معیار کے مطابق لکھی گئی ہے، رسالہ کی ترتیب مین سب سے زیادہ اہمیت خطوط نویسی کو دیگئی ہے، چنانچہ سب سے پہلا باب "خطوط نویسی" ہے جسمین اولاً خط نویسی کے آداب بتائے گئے ہین اور پھر مختلف خطوط بطور نمونہ درج کئے گئے ہین، اسکے بعد ایک مستقل باب "خط شکست" پر ہے جسمین اُس کے قواعد بتا کر شکست رسم خط کے خطوط نقل کئے گئے ہین، اس کے بعد ایک باب "رقوم و دیگر مروجہ علامتین" ہے، اس مین ناپ اور تول اور ہندسہ کے اوزان و علامات درج کئے گئے ہین، پھر ملک کے مشاہیر ادب کے خطوط نقل کئے گئے ہین، اور اس کے بعد اردو کے ممتاز و بلند پایہ اہل قلم کے مضامین کا انتخاب ہے، پھر حصۂ نظم شروع ہے، جس کے آغاز مین اصناف کلام کا مختصر تعارف ہے، اور پھر ممتاز شعرا کے کلام کا انتخاب درج ہے، اگر رسالہ کی ترتیب مین مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا،

تصحیح، معارف ماہ جنوری ۱۹۳۲ء مین اردو رسالون کے تبصرہ مین ایک رسالہ کا نام "تبیغ" کے بجائے "تبلیغ" چھپ گیا ہے، ناظرین تصحیح کرلین،

"ر"

جلد بست و نہم ۲۹ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۲ء | عدد ۶

مضامین

شذرات

مصر کو ایک مدت سے مسلمانون نے قبۃ الاسلام کا بجا لقب دے رکھا ہو، اس نے ہمیشہ اسلام کی علمی، تمدنی اور جنگی خدمتین انجام دی ہین، وہ مشرق و مغرب کے درمیان کی کڑی ہو، مغرب سے جو چیز مشرق کو آتی ہو، یا مشرق سے مغرب کو جاتی ہو اسکا درمیانی واسطہ یہی نیل کی زرفشان وادی ہے، یقیناً یہ اہل مصر کے لیے فخر کی بات ہو کہ وہ اسلام کی ایک ایسی اہم مملکت پر قابض ہین، لیکن اسی کیساتھ ان پر اسکے سبب سے بہت سی ذمہ داریان بھی عائد ہوتی ہین،

دنیائے اسلام کا وہ علمی قبلہ ہو، اسلام کی سب سے بڑی اور سب سے پرانی درسگاہ اسی کے احاطہ مین واقع ہو، اس کے مطبعون کی چھپی ہوئی کتابین تمام مسلمانون مین اشاعت پاتی ہین اس کے اخبارات اور رسائل عربی زبان مین ہونے کے باعث تمام دنیائے اسلام مین پھیلتے ہین، تمام دنیائے مسلمان طالب العلم اسلامی علوم و فنون کی تعلیم و تحصیل کے لیے اسکی درسگاہون کی طرف رخ کرتے ہین، اسلیے اسپر اپنے قلم کی ایک ایک کشش، اور اپنی زبان کے ایک ایک حرف کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو،

اگر وہان ایمان کے بجاے الحاد، اور عفت کے بجاے بداخلاقی، ہشیاری کے بجاے مستی، اور احساس دینی کے بجاے فرنگ آبی سکھائی جائے تو کیا یہ سفیر اسلام امین ہونیکے بجاے دنیا مین خائن نہین قرار پائیگا، یہ سنکر شاید کتنون کو افسوس ہو کہ پچھلے پندرہ[15] برس کے اندر ہندوستان سے اکثر طالب العلم جو مصر تکمیل و طلب علم کیلئے گئے، وہ جیسے واپس آئے تو وہ وہ بنکر نہین آئے، جسکی توقع ان کے دوستون اور بزرگون نے ان سے کی تھی،

سبب یہ ہو کہ آجکل ہر ملک مین اخبارات و رسائل کی حکومت ہے، آج اسی کے کالم خطیبون کے منبر اور واعظون کی کرسیان ہین، اور وہان کے تمام بڑے بڑے اخبارات عیسائیون اور فرنگی مآبون کے ہاتھون مین ہین، وہ صبح و شام خیالات کا جو پیالہ انکو پلاتے ہین، وہ چار و ناچار وہان ہر ایک کو پینا پڑتا ہے، دوسری بات یہ ہو کہ وہان کی بعض اعلیٰ درسگاہون مین تعلیم و استادی کے منصب پر چند ایسے نام کے مسلمان سرفراز ہین جنکی زبان و قلم کا ہر نقطہ زہر مین بجھا ہوتا ہے، وہ جو کچھ لکھتے پڑھتے اور پڑھاتے ہین، وہ اسلام کی دشمنی، ایمان کی بیخکنی اور مشرقیت کی عداوت ہو، انھین مین ڈاکٹر طہٰ حسین، سلامہ موسیٰ، ڈاکٹر محمد حسین ہیکل وغیرہ ہین، ان کے اثر سے مصری اور غیر مصری طلبہ متاثر ہو کر برباد ہوتے ہین،

لیکن نہایت خوشی کی بات ہو کہ چند سال سے مصر کے علماء، عوام، اور بعض سیاسی رہنماؤن مین اسلامی بیداری کی روح پیدا ہو گئی ہو، انھین مین ہمارے پرجوش دوست ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے (ممبر پارلیمنٹ) ہین، انکی متفقہ کوشش سے سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ ڈاکٹر طہٰ حسین پہلے مصری یونیورسٹی سے اور بعد کو نفس تعلیمات کے دائرہ سے بدر کئے گئے، اور مصر کے مسلمانون نے اسپر اطمینان کی سانس لی، مصری حکومت کے اس دانشمندانہ فیصلہ کی تائید و غالباً دنیاے اسلام کے گوشہ گوشہ سے ہوگی، اور اسکی خدمت مین تبریک و تہنیت کے پیام بھیجے جائین گے،

ہمنے الضیاء کے نام سے[1] لکھنؤ سے جس عربی رسالہ کی اشاعت کی کوشش کی ہو، اسکا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہان کے عربی پڑھنے والے طالبعلمون مین عموماً الہلال و المقتطف وغیرہ رسائل کا چرچا ہو، اور یہ تمام رسالے عیسائیون کے قلم کے نکلے ہین، اور ان مین بیدینی اور الحاد کی کھلی تعلیم اور اسلام کی صریح تحقیر ہوتی ہو، مگر اس اندازے سے ہوتی ہو کہ ہمارے طلبہ قند سمجھکر اس زہر کے پیالہ کو نوش کرتے ہین، اور خوش ہوتے ہین۔

[1] کاتب کی غلطی سے اسکی قیمت پچھلے پرچہ مین سے روپیے چھپ گئی ہو، حالانکہ سے (تین روپیے آٹھ آنہ) ہے۔

ہمارے ملک کے شرقی حصہ سے ملا ہوا ملک سیام ہے، مگر اس قرب کے باوجود وہان کے مسلمانون کی حالت سے بیخبر
ہے، سیام کے دار الحکومت بنکاک سے ہمارے پاس خطوط اور رسائل آئے ہین جنسے معلوم ہوتا ہے کہ وہان انا حاجی محمد آد
نگ علی شاہ لٹردم کی کوشش و امداد سے مسلمان لڑکیون کیلئے **عائشہ ڈم اسلامک کالج** کی بنا ڈالی گئی، اور ایک
عظیم الشان عمارت قائم کیگئی ہے، اسکے نصاب مین تمام جدید علوم و فنون کے پہلو بہ پہلو عربی زبان اور اسلامی اصول و عقائد
کی تعلیم بھی رکھی گئی ہے، دار الاقامہ بھی ہے، صنعت و حرفت کی طرف بھی توجہ ہے، اور عائشہ خاتون مذکور جو اس درسگاہ کی
مربیہ ہین، وہ لڑکیون کی ہر قسم کی نگرانی کا فرض خود انجام دیتی ہین، زبانون مین عربی، سیامی، انگریزی، ہندوستانی
اور ملائی وغیرہ سکھائی جاتی ہے،

اسی سلسلہ مین ہمکو اپنے ملک کے مدرسۃ البنات جالندھر شہر (پنجاب) کا تذکرہ کرنا ہے، لڑکیون کی تعلیم کیطرف قوم مین
بڑھتی جاتی ہے، مگر ابتک یہ طے نہین ہوا ہے کہ انکو کیا تعلیم دیجائے، لڑکیون کی جدید تعلیم کے حامی سیلاب کیساتھ بہ رہے ہین، ایسے
وقت مین مدرسۃ البنات جالندھر کے کارکنون کو مبارکباد دیجا سکتی ہے کہ انھون نے اس ضروری امر کی طرف توجہ کی، اور
سے پہلے مدرسہ کے کورس اور نصاب تعلیم کی درستی کیطرف توجہ فرمائی، اور تعلیم یافتہ لڑکیون کے بجائے مسلمان لڑکیان پیدا
کرنا اپنا نصب العین قرار دیا، انکے اس سال کے اجلاس مین جسکی صدارت ہمارے مخدوم نواب صدر یار جنگ مولنا شیروانی
نے فرمائی مجھے افسوس ہے کہ دعوت و اصرار کے باوجود حاضری سے معذوری رہی، تاہم کام کی بابت جو روداد معلوم
ہوئی وہ تسکین بخش ثابت ہوئی،

مدراس کی ملیالم زبان مین اسلامی تصنیفات کے تراجم کا سلسلہ اس حد تک ترقی کر چکا ہے کہ دار الاسلام مدراس
کے دو پرجوش کارکنون بی داؤد شاہ بی اے، اور حافظ محمد یوسف فاضل باقوی نے تھوڑی ترمیم کیساتھ ہماری سیرۃ النبی
کی پہلی جلد کا ملیالم ترجمہ نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، ظاہری اور باطنی دونون حیثیتون سے یہ نہایت قابل قدر کام ہوا ہے، دعا
ہے کہ اللہ تعالیٰ ان باہمت کام کرنے والون کو خدمت اسلام کی اور مزید توفیق عنایت فرمائے،

مقالات

خصائص قرآن مجید

از مولنا عبد السلام ندوی،

(۱)

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار،
گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

بلاغت

قرآن مجید گونا گون مزایا و خصائص کا مجموعہ ہے، اسمین اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، عقلی، غرض ہزارون قسم کی خوبیان
موجود ہین اور انھی خوبیون نے جمع ہو کر اسکو ایسا معجزہ بنا دیا ہے، جس کا جواب نہ عرب کے امیون سے ہو سکا، نہ حکما و فلاسفہ
اوسکی ایک آیت کا جواب پیش کر سکے، اور نہ آج اس ترقی یافتہ دور مین کوئی اوسکے مقابلہ کی جراءت کر سکتا، لیکن قرآن مجید
کے ان محاسن مین سب سے پہلے جس چیز پر نگاہ پڑتی ہے وہ اوسکی فصاحت و بلاغت ہے، قرآن مجید کے وجوہ اعجاز مین اگرچہ
بہت سے اختلافات ہین، لیکن عام طور پر اسی فصاحت و بلاغت کو قرآن مجید کا معجزہ خیال کیا جاتا ہے، اسلئے خصائص قرآنی
کے سلسلے مین سب سے پہلے ہم اوسکی فصاحت و بلاغت ہی کو پیش نظر رکھتے ہین،

علمائے معانی و بیان نے فصیح لفظ کی تعریف یہ کی ہے کہ تنافر حروف سے خالی ہو، غریب نہ ہو، قیاس کے مخالف
نہ ہو، لیکن ان الفاظ سے جب کوئی جملہ یا فقرہ بنایا جائے تو اوسکے لئے صرف اسی قدر کافی نہین ہے، بلکہ اسکے ساتھ ان الفاظ کے
توازن و ترکیب مین ناہمواری اور تعقید نہ ہو،

بلاغت کیلئے ان اوصاف یعنی مفرد الفاظ کی فصاحت اور ترکیب کی ہمواری اور خوشگواری کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کلام مقتضای حال کے مطابق ہو، لیکن فصاحت و بلاغت کی یہ ایک اصطلاحی تعریف ہے، اور زمانۂ جاہلیت عہد نبوت اور عہد صحابہ بلکہ بنو امیہ کے زمانے تک یہ اصطلاح نہین پیدا ہوئی تھی، خود قرآن مجید نے اگرچہ اپنے آپ کو تحدی کے ساتھ اہل عرب کے سامنے بطور معجزہ کے پیش کیا ہے، تاہم اوس نے صریح الفاظ مین کہین بھی فصاحت و بلاغت کا دعوی نہین کیا ہے اور خطباے عرب اور شعراے جاہلیت نے بھی کسی قصیدہ یا خطبہ کی تعریف مین فصاحت و بلاغت کا لفظ استعمال نہین کیا ہے اسلئے ہم تاریخی حیثیت سے زمانۂ جاہلیت اور آغاز اسلام مین فصاحت و بلاغت کا کوئی معیار نہین قائم کر سکتے، البتہ اس زمانے مین ہمکو بعض ایسے الفاظ ضرور ملتے ہین، جو کسی کلام کے حسن و اثر کے نمایان کرنے کیلئے استعمال کئے جاتے تھے، چنانچہ اس قسم کا سب سے زیادہ متداول لفظ سحر یعنی جادو تھا، اور کفار قرآن مجید کے حسن و اثر کے متعلق یہی لفظ استعمال کرتے تھے،

واذا تتلی علیھم آیٰتنا بینٰت قال الذین کفروا للحق لما جاءھم ھٰذا سحر مبین "	جب اون کافرون پر ہماری کھلی کھلی آیتین پڑھی جاتی ہین، تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہین، کہتے ہین یہ تو کھلا ہوا جادو ہے،

ایک حدیث مین بھی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

اِنّ من البیان لسحرا	بعض بیان جادو ہوتے ہین،

لیکن افسوس ہے کہ ہم قرآن مجید کے حسن و اثر کے اظہار کے لئے یہ لفظ استعمال نہین کر سکتے، کیونکہ اس سے اگرچہ قرآن مجید کی کشش و تاثیر کا اظہار ہوجاتا ہے، لیکن معنوی حیثیت سے اوسکی صداقت بالکل خاک مین ملجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب صعصعہ بن صوحان نے حدیث کا یہ ٹکڑا سنا تو کہا کہ رسول اللہ صلعم نے بالکل سچ فرمایا، کیونکہ ایک شخص پر کسی کا حق واجب الادا ہوتا ہے، لیکن وہ اظہار دلائل مین اصلی حقدار سے زیادہ لسان ہوتا ہے، اور اپنی لسانی سے لوگون کو مسحور کر کے حق کو مار لیتا ہے[1] کفار بھی قرآن مجید کو سحر اسی لئے کہتے تھے، کہ وہ اون کے نزدیک محض اپنے الفاظ و عبارت کے حسن و اثر

[1] فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۷

سے غلط کو صحیح اور باطل کو حق کی صورت مین پیش کرتا ہے،

ایک حدیث مین رسول اللہ صلعم نے خاص قرآن کی نسبت ایک اور فقرہ استعمال کیا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا:-

بعثت بجوامع الکلم[1]	مین جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا یعنی قرآن مجید

اور یہ ایک ایسا فقرہ ہے، جو قرآن مجید کی تمام لفظی اور معنوی خوبیون کو حاوی ہے، لیکن ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ آغاز اسلام مین محض الفاظ کے حسن و قبح کے اظہار کیلئے کوئی لفظ ایجاد نہین ہوا تھا، بلکہ کلام کے زور و اثر کے نمایان کرنے کے لئے جو الفاظ اور فقرے استعمال کئے جاتے تھے ان کا تعلق زیادہ تر معنی سے تھا، کسی کلام کو سحر اسلئے کہتے تھے کہ وہ ایک غیر حقیقی چیز کو حقیقی بنا دیتا تھا، جوامع الکلم کا لفظ قرآن مجید کے لئے اسلئے استعمال کیا گیا ہے کہ وہ ہر قسم کی پاکیزہ تعلیمات اور ارشادات و ہدایات کا جامع ہے، یا یہ کہ بڑے بڑے معانی و مطالب کو مختصر الفاظ مین ادا کر دیتا ہے،

اس کے بعد محاسنِ کلام کے اظہار کے لئے بہت سے الفاظ اور فقرے ایجاد ہو گئے، مثلاً شیرین، خوشگوار، حسین، سحر حلال، مرغوب، لذیذ، تختہ، باغ، آب زلال، دیبا، منقش و رنگین، لیکن یہ الفاظ اور فقرے بھی قریب قریب مترادف تھے، اور ان سب سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ کلام مین ایسی خوبیان جمع ہو گئی ہین، کہ وہ سامع کے دل کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہین، بہرحال فصاحت و بلاغت کی محدود اصطلاح نہین پیدا ہوئی تھی، جس کے ذریعہ سے ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرے کی جانچ پڑتال کے بعد کسی کلام کے فصیح و بلیغ ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، بلکہ مجموعی طور پر کسی کلام کا جو اثر دل پر پڑتا تھا، اوسکو پیش نظر رکھکر ان الفاظ اور فقرون سے اوسکی تعریف کیا کرتے تھے، صاحب مثل السائر نے لکھا ہے کہ مین نے ایک فلسفی سے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی تعریف کی، تو اوس نے کہا کہ قرآن مجید مین کیا فصاحت ہے، ؟ قرآن مین ہے " تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ " تو کیا ضیزیٰ کے لفظ مین کوئی حسن ہے؟

[1] بخاری کتاب الاعتصام

لیکن خود اہل عرب نے قرآن مجید کے کسی لفظ یا ترکیب پر اس قسم کا اعتراض نہین کیا ہی، جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اہل عرب کے نزدیک فصاحت و بلاغت کا معیار اس سے مختلف تھا، اور اوسکی بنیاد تمام تر ذوق سلیم پر قائم تھی، اور ہر قوم مین فطرۃً یہ معیار پایا جاتا ہی، البتہ یونانیون نے اوس کو ایک مستقل فن بنا دیا تھا، اور ارسطو نے اس فن پر ایک مستقل کتاب لکھی تھی، لیکن اس کتاب مین بھی صرف معانی و مطالب کے موثر اور دلنشین کرنے کے طریقے بتائے گئے تھے، الفاظ و تراکیب سے بحث نہین کیگئی تھی، یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہی کہ منطق کو اگرچہ ایک عقلی علم اور تحصیل فلسفہ کا ایک ذریعہ خیال کیا جاتا ہی، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ ایک ادبی علم تھا، اور اوسمین زیادہ تر وجوہ بلاغت سے بحث کی گئی تھی، کیونکہ منطق کے ایک حصہ مین الفاظ کی دلالت اور عبارت و معانی کے تعلقات سے زیادہ تر بحث کی گئی ہے، اور ایک حصہ برہان، خطابت، شعر، جدل اور سفسطہ سے تعلق رکھتا ہے، جو انسان کے دل پر اثر ڈالنے کا ایک ذریعہ ہین اور غالباً اسی مناسبت سے اہل عرب نے اُس کا نام منطق رکھا، جس کے معنی گفتگو اور کلام کے ہین، لیکن بہرحال فصاحت و بلاغت ایک ذوقی چیز ہے، جسکی تحدید علمی طریقے سے نہین کی جاسکتی، کیونکہ علوم و فنون کی بنیاد کسی خاص چیز پر قائم ہوتی ہے مثلاً نحو کی بنیاد کلام عرب پر قائم ہے، طب کا دار و مدار تجربہ پر ہے، علم حساب و ہندسہ عقل سے تعلق رکھتے ہین، لیکن بلاغت کی بنیاد کسی خاص چیز پر قائم نہین، بلکہ عقل و نقل، ذوق، الفاظ، معانی، نظم و ترکیب، موقع و محل غرض وہ ہزارون چیزون سے تعلق رکھتی ہے، یہی وجہ ہی کہ آجتک اوسکی کوئی متفقہ تعریف نہین ہوسکی، جاحظ نے کتاب البیان والتبیین مین لکھا ہی کہ ایرانی رومی اور ہندی سب سے بلاغت کی تعریف پوچھی گئی، تو سب نے مختلف جواب دئے، زمانۂ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی زمانے تک بلاغت کا دار و مدار صرف اسی ذوق سلیم پر تھا، یہی وجہ ہی، کہ اہل عرب کے نزدیک بلاغت کا تعلق معانی اور ترکیب کے توازن و ایتلاف یا دوسرے لفظون مین کلام کے ترنم و موسیقیت سے تھا، وہ نفس الفاظ کی ظاہری خوبیون کی طرف بہت کم توجہ کرتے تھے، لفظاً ضیزیٰ پر اونھون نے اسی لئے کوئی اعتراض نہین کیا کہ اگرچہ اسکے ہم معنی الفاظ اس سے زیادہ فصیح ہین، تاہم اگر وہ اس آیت مین لائے جائین، تو کلام کے توازن و ایتلاف اور ترنم و موسیقیت

کی خوبیان خاک مین مل جائین،

تاریخی حیثیت سے فن بلاغت کا یہ پہلا دور تھا اور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا اصلی معیار یہی دور ہے، اس کے بعد جب مسلمانون نے علمی ترقیان کین، اور ادبی علوم مثلاً صرف و نحو اور عروض کی تالیف و تدوین ہوئی، تو فن بلاغت کو بھی علماء کی ایک خاص جماعت نے مدون کیا، اگرچہ اس دور مین بھی اس فن کی بنیاد زیادہ تر ذوق سلیم ہی پر قائم تھی، تاہم علمی حیثیت سے اون وسائل و اسباب کے فراہم کرنے کی کوشش کی گئی جن کے ذریعہ سے یہ ذوق ترقی کر سکے، اسلئے دو خصوصیتون کی وجہ سے یہ دور پہلے دور سے مختلف و ممتاز ہوگیا،

(۱) ایک تو یہ کہ محاسن کلام کے لئے خاص خاص نام مقرر کر دئے گئے، مثلاً مجاز، تشبیہ، استعارہ اور کنایہ وغیرہ

(۲) دوسری یہ کہ کلام کے اوبہت سے جدید اوصاف پیدا کئے گئے جن سے دور اول کے لوگ ناواقف تھے، یہ اوصاف زیادہ تر علم بدیع سے تعلق رکھتے ہین، جس کا موجد ابن معتز ہی،

اس دور کے بعد تمدن اسلام کو اور ترقی ہوئی، تو فن بلاغت نے ایک نیا قالب بدلا اور اس کا سب سے آخری دور شروع ہوا، جسکی خصوصیات حسب ذیل ہین،

(۱) علوم و فنون کی بنیاد علمائے عجم کے ہاتھ مین آگئی، اور سیاست کے ساتھ وہ علم و ادب کے خزانون پر بھی قابض ہوگئے،

(۲) فلسفہ کا عام رواج ہوگیا، اور تمام علوم و فنون جن مین فن بلاغت بھی داخل ہے، فلسفیانہ قالب مین ڈھل گئے،

اسی دور مین عربی ذوق بھی خراب ہوگیا، اور اوسکی جگہ عجمی مذاق پیدا ہوگیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فن بلاغت کا تمامتر دار و مدار زمخشری، سکاکی، قزوینی، اور تفتازانی کی تصنیفات پر رہ گیا، جس مین منطق و فلسفہ کی کتابون کی طرح اعتراضات و مناقشات کے سوا اور کچھ نہ تھا، اب عربی بلاغت بلکہ عربی فطرت کا خاتمہ ہوگیا، اور عربی انشا پردازی

مین تکلف و آورد کی بہتات ہونے لگی، اور مقامات بدیع ہمدانی اور مقامات حریری کی مسجع و مقفی عبارتین ا[illegible]
دور کی بہترین یادگارین قرار پائین اس بنا پر اگر ہم فصاحت و بلاغت کو قرآن مجید کا معجزہ قرار دین، تو اوس [illegible]
معیار ان دونون دور کی تصنیفات نہین قرار پا سکتین، بلکہ اوس کا اصلی معیار اہل عرب کا ذوق سلیم ہوگا، او[illegible]
ذوق سلیم کا اندازہ صرف اس اثر سے ہو سکتا ہی، جو اہل عرب کے دلون پر قرآن مجید کی آیتون کا پڑتا تھا، [illegible]
کہ علمائے بلاغت نے ایک فصیح و بلیغ کلام کی جو خصوصیات قرار دی ہین وہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت مین م[illegible]
ہین، لیکن جو چیز اہل عرب کے دلون پر اثر ڈالتی تھی، وہ ان سب سے بالاتر تھی، حضرت انیس جو خود ایک شاعر تھے، ر[illegible]
اللہ صلعم کی نسبت اپنے بھائی حضرت ابوذر غفاری رض سے کہتے ہین کہ "لوگ آپ کو شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہین
لیکن مین نے کاہنون کا کلام سنا ہی، آپ کا کلام کاہنون کا کلام نہین، مین نے آپ کے کلام کو انواع شعر [illegible]
تو اب کوئی یہ نہ کہے کہ وہ شعر ہے، خدا کی قسم آپ سچے ہین، اور وہ لوگ جھوٹے ہین"[1] اس سے ثابت ہوتا ہی کہ جو چیز اہل
عرب کو متاثر کرتی تھی وہ قرآن مجید کی صداقت تھی، جو الفاظ و عبارت کے خوشنما پردون مین جلوہ گر ہو کر اپنے آپ
کو اور بھی زیادہ موثر بنا دیتی تھی، اسی مضمون کو وہ دوسرے الفاظ مین یون بیان کرتے ہین کہ "مین نے آپ کو دیکھا
مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہین، اور ایسا کلام پیش کرتے ہین، جو شعر نہین"[2]

حضرت عثمان بن مظعون رض نے جب قرآن مجید کی یہ آیتین سنین :-

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان	خدا عدل، احسان، اور قرابتدارون کے ساتھ
وایتاء ذی القربی وینھی عن	سلوک کرنے کا حکم دیتا ہی، اور بدکاری، برائی
الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم	اور ظلم سے روکتا ہی، وہ اسلئے یہ نصیحتین کرتا ہی کہ شاید
لعلکم تذکرون،	تم اوسکو قبول کرو،

تو اون کا بیان ہے کہ اسلام میرے دل مین گھر کر گیا،[3] لیکن ان آیتون مین روانی اور شستگی الفاظ کے سوا

[1] صحیح مسلم فضائل ابی ذر رض [2] مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۳۱۸،

تو کوئی صنعت ہی، نہ کوئی بلاغت کا نکتہ ہے، نہ شاندار الفاظ استعمال کئے گئے ہین، اس لئے اس اثر کا سبب او[illegible]
[illegible] پاکیزہ اخلاقی تعلیم کے سوا اور کچھ نہین، جو ہر سلیم الفطرت شخص کے دل پر اثر کرتی ہے، ایک بار نماز مغرب
[illegible]ن رسول اللہ صلعم سورۂ طور پڑھ رہے تھے، حضرت جبیر بن مطعم رض نے آپ کی زبان مبارک سے اس سورہ کی
[illegible] آیتین سنین :-

ام خلقوا من غیر شیء ام ھم الخالقون	کیا وہ بن گئے ہین آپ ہی آپ یا وہی ہین بنانے والے
ام خلقوا السموت والارض بل لا یوقنون	یا انھون نے بنائے آسمان اور زمین کوئی نہین بلکہ
ام عندھم خزائن ربک ام	یقین نہین کرتے کیا اون کے پاس ہین خزانے تیرے
ھم المصیطرون	رب کے یا وہی داروغے ہین،

تو اون کا بیان ہے کہ میرا دل اڑنے لگا،[1] لیکن ہمارے علمائے بلاغت نے علم معانی و بیان مین
[illegible]غت کے جو نکات بیان کئے ہین، اون مین ایک بھی اس آیت مین نہین پایا جاتا، باینہمہ اس کا اثر ایک طالب حق
[illegible] دل کو بیقرار کر دیتا ہی، جسکی وجہ صرف یہ ہی کہ اہل عرب صرف اپنے فطری مذاق سے قرآن مجید کے معانی و مطالب
[illegible] سمجھتے تھے، اور وہی طبعی ذوق اون کے قلوب کو بیقرار و متاثر کر دیتا تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث
کی شرح مین خطابی کا یہ قول نقل کیا ہی، کہ "وہ اس آیت کو سنکر اس لئے بیقرار ہو گئے کہ اونھون نے اسکے معنی،
مطلب اور استدلال کو اپنی طبع لطیف سے سمجھ لیا"، صرف قرآن مجید ہی کی تخصیص نہین، بلکہ اس فطری ذوق کی وجہ سے
اہل عرب ہر صحیح کلام سے جو پرزور طریقے سے ادا کیا جاتا تھا، متاثر ہوتے تھے، اور یہ اثر دفعۃً اون کی حالت مین
انقلاب پیدا کر دیتا تھا،

غزوۂ حنین مین آپ نے تمام مال غنیمت مؤلفۃ القلوب کو دیدیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے تو چند نوجوان
[illegible] نہایت ناگوار ہوا، اور انھون نے کہا "خدا پیغمبر کی مغفرت کرے، قریش کو دیتا ہی، اور ہم کو چھوڑ دیتا ہی، حالانکہ

[1] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ طور،

ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہی، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی، لوگوں نے کہا کہ "چند نوجوانوں نے یہ کہا ہی، ہم مین جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہین اونھوں نے ایک لفظ بھی نہین کہا، اب آپ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا،

یا معشر الانصار الم اجدکم	اے گروہ انصار! کیا مینے تمکو گمراہ نہین پایا، پس خدا
ضلالا فھداکم اللہ بی و کنتم	نے میری وجہ سے تمھین ہدایت دی، تم متفرق تھے، خدا
متفرقین فالفکم اللہ بی و	نے میری وجہ سے تمکو مجتمع کر دیا، تم محتاج تھے، خدا
عالۃ فاغناکم اللہ بی،	نے میری وجہ سے تمکو دولتمند کر دیا،

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسول کا احسان اس سے زیادہ ہی" آپ نے فرمایا کہ "یہ کیون نہین کہتے کہ اے محمد! تم اس حالت مین آئے تھے کہ لوگ تمھاری تکذیب کرتے تھے، ہم نے تمھاری تصدیق کی، تمھارا کوئی مددگار نہ تھا ہم نے تمھاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے، ہم نے تمکو گھر دیا، تم محتاج تھے ہم نے تمھاری غمخواری کی" اس کے بعد آپ نے اصل اعتراض کا جواب دیا۔

اترضون ان یذھب الناس	کیا تم نہین پسند کرتے، کہ لوگ اونٹ اور بکریان لیکر
بالشاۃ والبعیر و تذھبون	جائین، اور تم اپنے گھرون مین خود پیغمبر کو لیکر جاؤ، خدا
بالنبی الی رحالکم فواللہ لما	کی قسم تم لوگ جو لیکر واپس جاتے ہو، وہ اس سے بہتر
تنقلبون بہ خیر مما ینقلبون،	ہے جسکو تمام لوگ لیکر واپس جاتے ہین،

اس پر تمام انصار پکار اوٹھے "قد رضینا" یعنی ہم اس پر راضی ہین[1]"

خطبات نبوی مین یہ خطبہ نہایت بلیغ ہے، لیکن مطول و مختصر المعانی مین بلاغت کے جو اصول و قواعد بتائے گئے ہین وہ اس مین کہین نہین پائے جاتے، بلکہ اس کے اثر کا تمامتر دار و مدار صداقت اور واقعیت پر ہے، جو فصیح الفاظ مین نہایت

[1] بخاری غزوۂ حنین مع فتح الباری۔

پر زور طریقے سے ظاہر کی گئی ہی، غور سے دیکھو اسکا ایک حرف بھی صداقت سے ہٹا ہوا ہے، کیا ہجرت سے پہلے انصار گمراہ نہ تھے؟ کیا جنگ بعاث نے اون کے شیرازے کو درہم برہم نہین کر دیا تھا؟ کیا وہ محتاج نہ تھے؟ لیکن آپ نے صرف اپنا ہی احسان نہین جتایا، بلکہ انصار کے احسانات کو بھی تسلیم کیا، یعنی یہ کہ انصار نے آپ کی تصدیق کی، آپ کی حمایت کی، آپ کو گھر دیا، اور آپ کی غمخواری کی اور انھی احسانات کا یہ صلہ تھا، کہ آپ نے مدینہ کو اپنا گھر بنا لیا، اسی صداقت کو آپ نے ان الفاظ مین بیان فرمایا کہ لوگ اونٹ اور بکریان لیکر جاتے ہین اور تم خود رسول اللہ کو لیکر واپس ہو رہے ہو،

رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد صحابہ مین جو شک و اضطراب پیدا ہو گیا تھا، اسکے رفع کرنے کیلئے حضرت ابو بکر صدیق نے ایک نہایت مختصر خطبہ دیا، جسکے الفاظ یہ ہین:۔

الا من کان یعبد محمدا فان محمدا	آگاہ رہو جو شخص محمد کو پوجتا تھا، تو محمد صلعم کا وصال
صلی اللہ علیہ وسلم قد مات	ہو چکا، اور جو شخص خدا کو پوجتا تھا، تو خدا زندہ ہی جو نہ
و من کان یعبد اللہ فان اللہ	مرے گا، اوس نے کہدیا تھا کہ اے محمد، تم مروگے
حی لا یموت وقال انک میت	اور وہ لوگ بھی مرین گے، اوس نے کہدیا تھا کہ محمد صرف
وانھم میتون وقال وما محمد	ایک پیغمبر ہین، اور اون سے پہلے اور پیغمبر گذر چکے ہین، تو
الا رسول قد خلت من قبلہ	کیا وہ مر جائین گے، یا قتل کر دئے جائین گے، تو تم قدم
الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی	پیچھے ہٹالوگے، اور جو شخص پیچھے قدم ہٹالیتا ہی، تو خدا
اعقابکم و من ینقلب علی عقبیہ فلن	کو کچھ نقصان نہین پہنچاتا، اور خدا شکر کرنے والون کو
یضر اللہ شیئا و سیجزی اللہ الشاکرین	عنقریب بدلہ دیگا،

اس تقریر مین صرف چند ہی فقرے ہین، لیکن ان کا اثر یہ ہوا کہ روتے روتے لوگون کی ہچکیان بندھ گئین[1] حضرت عمرؓ کہتے ہین کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیتین پڑھین، تو میرے پاؤن کانپنے لگے اور مین زمین پر گر پڑا،[2]

[1] بخاری کتاب المناقب مناقب ابی بکرؓ [2] بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ

سقیفہ بنو ساعدہ میں جب خلافت کا جھگڑا پیش آیا، تو اس موقع کیلئے حضرت عمرؓ نے پہلے ہی سے ایک تقریر تیار کرلی تھی، جس کی نسبت خود اون کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسی تقریر تیار کی تھی، جو مجھے نہایت پسند تھی، اور مجھے خوف تھا، کہ ابوبکرؓ ویسی تقریر نہ کرسکیں گے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اون کو روک دیا، اور خود تقریر کی، جس کے چند ہی فقرے یہ ہیں،

ولکنّا الامراء وانتم الوزراء ما	لیکن ہم لوگ امرا ہیں اور تم لوگ وزراء ہو، تم لوگوں نے
ذکرتم فیکم من خیر فانتم لہ اہل	اپنی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے تم، اوس کے اہل ہو، لیکن
ولن یعرف ھذا الامر الا لھذا	خلافت صرف قبیلہ قریش کا حق ہے، کیونکہ وہ خاندان
الحی من قریش ھم اوسط العرب دارا واعربھم احسابا	اور حسب و نسب کے لحاظ سے عرب کے بہترین لوگوں میں ہیں،

لیکن ان چند فقروں کے نسبت خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں،

ثم تکلم ابوبکر فتکلم ابلغ الناس	پھر ابوبکرؓ نے تقریر کی تو بلیغ ترین شخص نے تقریر کی،

دوسری روایت میں ہے کہ

فتکلم ابوبکر فکان ھو احلم منی واوقر[1]	تو حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی تو وہ مجھ سے زیادہ حلیم اور

ان تمام واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک بلاغت کی بنیاد صرف زور کلام، حسن استدلال، واقعیت، صداقت، الفاظ و ترکیب کی متانت و جزالت، بلکہ خود متکلم کے حلم و وقار پر تھی، اور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا اصلی معیار یہی ہے اور اس معیار کے رو سے اگر قرآن مجید کے تمام مطالب و معانی کی تحلیل کی جائے، تو حسب ذیل قسمیں نکلیں گی،

(۱) عقائد، اس میں تمام روحانی مسائل مثلاً توحید، ابطال شرک، واقعات مابعد الموت یعنی دوزخ جنت، قیامت، اور پل صراط وغیرہ داخل ہیں، (۲) اخلاق و تہذیب نفس، (۳) عبادات و اعمال (۴) معاملات و معاشرتی

[1] بخاری کتاب المناقب مناقب ابی بکرؓ و کتاب المحاربین باب رجم الحبلی،

تعلقات (۵) تاریخ و قصص،

اور قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اوس نے ان تمام مطالب و مقاصد کو نہایت یکسانی و ہمرنگی کے ساتھ بیان کیا ہے، اسلئے قرآن مجید میں اختلاف ناہمواری اور پیچیدگی کا نام و نشان نہیں،

افلا یتدبرون القرآن ولو کان	کیا کفار قرآن مجید میں غور نہیں کرتے، اگر یہ خدا کے
من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ	سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت
اختلافا کثیرا۔	اختلافات پاتے،
قرآنا عربیا غیر ذی عوج	قرآن عربی زبان میں جس میں کوئی کجی نہیں،
بلسان عربی مبین۔	یہ قرآن عربی زبان میں ہے جو اپنے مطالب کو وضاحت سے ظاہر کرتا

لیکن اگر پہلی اور دوسری آیت کو فصاحت و بلاغت کے ساتھ متعلق کیا جائے تو قرآن مجید کا یہ دعویٰ بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا، یہ سچ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں پیچیدگی نہیں پائی جاتی، بلکہ تمام مطالب یکسان وضاحت و سلاست کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، لیکن جن آیتوں میں عقائد یعنی روحانیات کا بیان ہے، اون میں بہت زیادہ زور و اثر پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مکی سورتیں مدنی سورتوں سے زیادہ پرجوش اور ولولہ انگیز ہیں، لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کرآئے ہیں اہل عرب کے نزدیک بلاغت کی بنیاد صرف جوش اور ولولہ پر نہیں، بلکہ صداقت، واقعیت، حسن استدلال، کلام کی متانت وجزالت بلکہ متکلم کے حلم و وقار پر قائم تھی، اور یہ ایسے اوصاف ہیں، جو قرآن مجید کی ہر آیت میں پائے جاتے ہیں، اور اس لحاظ سے قرآن مجید میں کہیں اختلاف نہیں پایا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اہل عرب پر قرآن مجید کی پرجوش آیتوں کا جو اثر پڑتا تھا، وہ اوس کی حقیقت پر سحر کا پردہ ڈال دیتے تھے یعنی یہ کہ یہ صرف قرآن مجید کا زور بیان ہے، جو غیر حقیقی چیزوں کو حقیقی بنادیتا ہے، لیکن حضرت عثمان بن مظعونؓ، اور حضرت جبیر بن مطعمؓ جن آیتوں کی وجہ سے ایمان لائے، اون میں جوش و ولولہ نہ تھا، بلکہ صرف ایک مسلمہ صداقت اور حسن استدلال نے اون کو اسلام کی طرف مائل کردیا،

اہل عرب پر کلام کی واقعیت اور صداقت کا جو اثر پڑتا تھا، اوسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک شلو نے ایک

قبیلے کی ہجو میں ایک شعر لکھا،

قوم اذا استنبح الاضیاف کلبھم　　قالوا لامھم بولی علی النار

یہ ایک ایسی قوم ہے کہ جب دیکھا کتا مہمانوں کو بھونکتا ہے، تو اپنی ماں سے کہتے ہیں کہ آگ پر پیشاب کردے،

جس کے وجوہ بلاغت پر غور کرنے کے لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اہل عرب کے نزدیک فیاضی اور مہمان نوازی سب سے بڑا اخلاقی وصف تھا، اور مہمانوں کے کھانا پکانے کے لئے بہت سی آگ جلانا، اوس کی علامت تھی اس شاعر نہایت بلیغ طریقے پر اس قبیلے سے اسی وصف کی نفی کرتا ہے، اور اس کو مختلف شاعرانہ انداز سے ثابت کرتا ہی،

(۱) ایک تو یہ کہ اس قبیلے میں مہمان بہت کم آتے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ ان کے کتے ان کو اجنبی سمجھ کر بھونکتے ہیں،

(۲) اور اگر بھولے بھٹکے مہمان آجاتے ہیں، تو اون کے لئے کھانا پکانا تو درکنار خود آگ ہی کو بجھا دیتے ہیں،

(۳) لیکن یہ آگ اس قدر کم ہوتی ہی کہ صرف پیشاب کی معمولی مقدار سی بجھ سکتی ہی،

(۴) اس قدر بدتمیز ہیں کہ اپنی ماں سے پیشاب کرنے کی فرمایش کرتے ہیں،

(۵) اون کے گھرون میں لونڈیان نہیں ہوتین، اس لئے اون کو باورچی خانے کا کام گھر کی عورتون سے لینا پڑتا ہی،

(۶) اون کے گھرون مین پانی نہین ہوتا، اسلئے پیشاب سے آگ بجھانے کی ضرورت پڑتی ہی،

(۷) نہایت گندہ اور نجس ہیں،

لیکن بااینہمہ بلاغت چونکہ اس شعر کو واقعیت و صداقت سے لگاؤ نہ تھا، اسلئے عرب مین مقبول نہ ہوا اسکے برخلاف ایک شاعر نے ایک قبیلے کی ہجو مین نہایت سادہ طور پر صرف ایک شعر لکھا، جس کا ایک مصرعہ یہ ہے،

حك استه وتمثل الامثالا

یعنی جب اس قبیلے کے کسی آدمی سے کوئی چیز مانگی جاتی ہے، تو وہ اپنا سرین کھجلانے لگتا ہی، اور ادھر ادھر کی باتین کرنے لگتا ہی،

اور یہ اسقدر مقبول ہوا کہ ایک مجلس مین اس قبیلے کے ایک شخص کو سرین کھجلانے کی ضرورت پیش آئی، لیکن وہ اس لئے نہ کھجلا سکا کہ مبادا یہ مصرع اوس پر چسپان ہو جائے، لیکن اس شعر کی مقبولیت کا سبب صرف یہ تھا کہ اوس مین واقعیت و صداقت پائی جاتی تھی، کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب ایک بخیل شخص سے کوئی سوال کیا جاتا ہی، اور وہ اوسکو پورا نہین کرنا چاہتا، تو ٹال مٹول کیلئے اپنے بعض اعضاء کو کھجلانے اور ادھر ادھر کی باتین کرنے لگتا ہی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام کی مقبولیت اور اثر کیلئے اہل عرب کے نزدیک واقعیت اور صداقت کسقدر ضروری چیز تھی،

اسکے ساتھ بلاغت کا ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ معانی و مطالب کے اختلاف سے طرز تحریر و انشاء مین لازمی طور پر اختلاف ہوجاتا ہی، درد و غم کے اظہار کے لئے خاص خاص الفاظ اور خاص خاص ترکیبین ہین، پرجوش مضامین کے اظہار کیلئے شاندار اور متین الفاظ کی ضرورت ہوتی ہی، اخلاق و تہذیب نفس کی تعلیم کے لئے نرم اور واعظانہ لہجے کی ضرورت ہی، قرآن مجید مین اس قسم کے مختلف مضامین کے لئے اس اصول کے لحاظ سے مختلف الفاظ، مختلف ترکیبین اور مختلف لہجے اختیار کئے گئے ہین، لیکن باوجود اس اختلاف کے اصل حقیقت یعنی نفس بلاغت مین کوئی اختلاف نہین پیدا ہوا بلکہ اگر اوس کے برعکس ان تمام مضامین کے لئے ایک ہی طرز اختیار کیا جاتا تو بلاغت خاک مین مل جاتی، یہی نکتہ ہی جسکو صاحب مثل السائر نے ان الفاظ مین ادا کیا ہی، کہ الفاظ کی دو قسمین ہین جزیل و رقیق، اور ہر ایک کے استعمال کے خاص خاص مواقع ہین، جزیل الفاظ میدان جنگ کے بیان اور تہدید و تخویف وغیرہ کے موقع پر، اور رقیق الفاظ شوق اور ایام فراق وغیرہ کے بیان کے لئے استعمال کئے جاتے ہین، جزیل الفاظ کی مثال حساب، عذاب، میزان اور صراط وغیرہ کے بیان مین قرآن مجید کی تہدیدی آیتون مین ملتی ہی، اور رحمت، مغفرت، انبیاء، اور نیک بندون کے خطاب کے موقع پر رقیق اور نرم الفاظ قرآن مجید مین ملتے ہین،

ان تمہیدی اصول کے بعد اب ہم تمام مضامین کے متعلق قرآن مجید کی چند آیتین بطور نمونہ کے پیش کرتے ہین

جن سے اندازہ ہوگا کہ قرآن مجید ہر قسم کے مضامین کو کس بلیغ طریقہ سے ادا کرتا ہی،

عقائد عقائد مین توحید اور نفی شرک قرآن مجید کا نہایت اہم موضوع ہی، اور اوسکو قرآن مجید نے نہایت موثر اور مدلل طریقے سے بیان کیا ہی، مثلاً۔

توحید

امن خلق السموٰت والارض و
انزل لکم من السماء ماءً فانبتنا
به حدائق ذات بهجة ما
کان لکم ان تنبتوا شجرها ءاله
مع الله بل هم قوم یعدلون
امن جعل الارض قرارا وجعل
خللها انهرا وجعل لها رواسی
وجعل بین البحرین حاجزا ءاله
مع الله بل اکثرهم لا یعلمون
امن یجیب المضطر اذا دعاه
ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء
الارض ءاله مع الله قلیلا ما
تذکرون امن یهدیکم
فی ظلمت البر والبحر ومن
یرسل الریح بشرا بین
یدی رحمته ءاله مع الله

بھلا آسمانون اور زمین کو کس نے پیدا کیا، اور آسمان سے تم لوگون کے لئے (کس نے) پانی برسایا (ہم ہی نے پانی برسایا) پھر پانی کے ذریعہ سے ہم (ہی) نے خوشنما باغ اوگائے، (لوگو!) تمھارے بس کی بات تو نہ تھی کہ تم اون کے درختون کو اوگا سکو، کیا خدا کے ساتھ کوئی (اور) معبود بھی ہی؟ (نہیں مگر پھر بھی (یہ کج فہم) لوگ ہین کہ (ناحق) کجروی کرتے ہین، بھلا کس نے زمین کو (آدمیون اور جانورون کے) ٹھہرنے کی جگہ بنایا، اور اوسکے بیچ بیچ مین ندی نالے بنائے اور اس کے (ایک وضع خاص پر رکھنے کے) لئے اٹل پہاڑ بنائے اور (میٹھے اور کھاری) دو سمندرون مین حد فاصل رکھی (کہ ایک دوسرے سے مل نہ جائین) کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود (بھی) ہی؟ (نہین) مگر ان لوگون مین اکثر (اتنی موٹی بات بھی) نہین جانتے، بھلا کون ہی کہ جب کوئی شخص (بیقرار ہو کر) اس سے فریاد کرے، وہ اس بیقرار کی فریاد کو پہنچے، اور (اوسکی) مصیبت کو ٹال دے، اور (کون ہی جو) زمین

تعلی الله عما یشرکون امن
یبدؤا الخلق ثم یعیده و
من یرزقکم من السماء و
الارض ءاله مع الله قل هاتوا
برهانکم ان کنتم صدقین،

مین تم لوگون کو (اپنا) نائب بناتا ہی؟ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود (بھی) ہی؟ (نہین مگر) تم لوگ بہت کم غور و فکر کرتے ہو، بھلا کون (ہی جو) تم لوگون کو خشکی اور تری کی تاریکیون مین راہ دکھاتا ہی، اور کون (ہے جو) اپنی رحمت (یعنی مینہ) کے آگے (آگے) ہواؤن کو (بارش کی) خوشخبری دینے کیلئے بھیجتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود (بھی) ہی؟ یہ لوگ جیسے جیسے شرک کرتے ہین، اللہ (کی شان) اوس سے بالاتر ہی، بھلا کون ہی جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہی، پھر اوسی طرح کی مخلوقات بار بار پیدا کرتا رہتا ہی اور کون (ہے جو) تم لوگون کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہی، کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود بھی ہی، (نہین) اے پیغمبر ان لوگون سے کہو کہ اگر شرک کے

صفات باری عقائد مین توحید کے بعد سب سے اہم مسئلہ خداوند تعالےٰ کے اوصاف کا ہی اور اون اوصاف کو قرآن مجید نے نہایت دلآویز اور پر اثر طریقے سے بیان کیا ہی، مثلاً:۔

الله نور السموات والارض مثل
نوره کمشکوٰة فیها مصباح
المصباح فی زجاجة کانها
کوکب دری یوقد من شجرة

اللہ ہی کے نور سے) آسمان اور زمین کی روشنی ہی، اسکے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہی، (اور) طاق مین ایک چراغ (رکھا ہی اور) چراغ ایک شیشے کی قندیل مین ہی، (اور) قندیل (اسقدر شفاف ہے) کہ

مبارکة زیتونة لا شرقیة ولا غربیة یکاد زیتها یضیء ولو لم تمسسه نار نور علی نور یهدی الله لنوره من یشاء

گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا، ایک ستارہ ہے (وہ) چراغ زیتون کے ایک مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے، کہ جو نہ پورب کے رخ واقع ہے اور نہ پچھم کے رخ، اوس کا تیل (اس قدر صاف ہے کہ) اگرچہ اوسکو آگ نہ بھی چھوئے، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ (آپ سے آپ) جل اوٹھے گا (غرضکہ ایک نور نہیں بلکہ) نور علی نور (یعنی نور پر نور) اللہ اپنے نور کی طرف جسکو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے

قیامت | قیامت کے مختلف مناظر میں قیامت کا آنا، ایک نہایت ہیبتناک منظر ہے، اور قرآن مجید نے اس ہیبتناک منظر کی تصویر نہایت مہیب، ہولناک اور دل ہلانے والے الفاظ میں کھینچی ہے، مثلاً،

کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک صفا صفا وجیء یومئذ بجهنم یومئذ یتذکر الانسان وانی له الذکری.

مگر جس دن زمین مارے دھکوں کے چکنا چور ہو جائے اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار رونق افروز ہوگا اور فرشتے صف بستہ (اوسکے جلو میں ہوں گے) اور اس دن جہنم (سب کے روبرو) لا حاضر کی جائے گی، اوس دن انسان چیتے گا مگر (اوس وقت) اوسکے چیتنے سے (سورۂ فجر)

یا ایها الناس اتقوا ربکم ان زلزلة الساعة شیء عظیم یوم ترونها تذهل کل مرضعة عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملها وتری

لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب) سے ڈرو (کیونکہ) قیامت کا زلزلہ ایک بڑی (سخت) مصیبت ہوگی، جس دن وہ تمہارے سامنے آموجود ہوگی، ہر دودھ پلانے والی (مارے ڈر کے، اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی، اور جتنی حمل والیاں ہیں سب کے

الناس سکری وما هم بسکری ولکن عذاب الله شدید.

حمل گر پڑیں گے، اور (مارے بدحواسی کے) لوگ متوالے دکھائی دیں گے، حالانکہ وہ متوالے نہیں بلکہ خدا کا عذاب بڑا سخت ہے (جس کے ڈر سے لوگ بدحواس ہو رہے ہوں گے)

اس آیت کے اثر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ جب صحابۂ کرام نے رسول اللہ کی زبان سے اوس کو سنا، تو اون کے چہروں کا رنگ بدل گیا[1]، ترمذی میں ہے کہ ایک سفر میں آپ نے یہ آیتیں بلند آواز سے پڑھیں، اور اپنے الفاظ میں اسکی تفسیر کی تو صحابۂ کرام دم بخود ہو کر رہ گئے[2]،

انما یؤخرهم لیوم تشخص فیه الابصار مهطعین مقنعی رءوسهم لا یرتد الیهم طرفهم وافئدتهم هواء

خدا اون کو اس دن تک کی مہلت دے رہا ہے جب کہ (مارے خوف کے لوگوں کی) آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، اپنے سر اوپر کی طرف اوٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں، (ٹکٹکی بندھی ہوئی ہو کہ جدھر کو دیکھ رہے ہیں ادھر ہی) نگاہ پھر ان کی طرف لوٹ کر نہیں آتی، اور ان کے دل (ہیں کہ) (سورۂ ابراہیم)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص قیامت کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہے، اوس کو سورۂ تکویر کی یہ آیت (اذا الشمس کورت) اور سورۂ انفطار کی یہ آیت (واذا السماء انفطرت) اور سورۂ انشقاق کی یہ آیت (اذا السماء انشقت) پڑھنی چاہیے، کیونکہ یہ وہ سورتیں ہیں جن میں واقعۂ قیامت کی تصویر نہایت پر اثر الفاظ میں کھینچی گئی ہے[3] لیکن اس زور و اثر کے ساتھ ایک لفظ بھی واقعیت سے ہٹا ہوا نہیں ہے، بلکہ وہی حالات بیان کئے ہیں جو خوف و اضطراب کی حالت میں عموماً پیش آیا کرتے ہیں،

[1] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ حج [2] ترمذی تفسیر سورۂ حج [3] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۶،

فاذا برق البصر وخسف القمر و
جمع الشمس والقمر يقول
الانسان يومئذ اين المفر كلا
لا وزر الى ربك يومئذ ن المستقر

توجب مارے ہیبت کے آنکھیں پتھرا جائین اور چاند
گہنا جائے، اور سورج اور چاند (دونون) یکجا
کردئے جائین، اوس دن آدمی بول اوٹھیگا
کراب کدھر کو بھاگ جائین، سو (اے آدمی)
بھاگنا تو ہو نہین سکے گا، (اس دن) کہین پناہ
نہین، (اور) اوس دن ٹھکانا ہوگا تو تیرے
پروردگار (ہی) کے پاس ہوگا،

دوزخ اور جنت واقعات قیامت مین قرآن مجید نے جنت کی مسرتون اور لذتون کا بیان نہایت پرکیف طریقہ سے
کیاہے، اور دوزخ کی تکلیفون اور مصیبتون کی تصویر نہایت دردانگیز الفاظ مین کھینچی ہے، مثلاً

هل اتاك حديث الغاشية
وجوه يومئذ خاشعة عاملة
ناصبة تصلى نارا حامية تسقى
من عين آنية ليس لهم طعام الا من
ضريع لا يسمن ولا يغنى من جوع
وجوه يومئذ ناعمة لسعيها
راضية فى جنة عالية لا
تسمع فيها لاغية فيها عين جارية
فيها سرر مرفوعة و
اكواب موضوعة و نمارق

(اے پیغمبر) تمکو (اوس آفت یعنی قیامت) کا حال
(بھی) پہنچا ہے جو (ساری جہان پر چھا جائیگی)، کتنے
(لوگون کے) منہ اوس روز اوترے ہوئے ہون گے،
وہ لوگ طرح طرح کی مشقتین کررہے ہون گے،
(اور بار بار مشقتون کے) تھک (کر چور ہو) رہے
ہون گے، یہ لوگ دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ مین
داخل ہون گے (اور) اونکو ایک کھولتے ہوئے
چشمے کا پانی پلایا جائے گا، کانٹون کے سواے
کوئی کھانا اون کو نصیب نہین، (جن کے کھانے
سے نہ تو بدن ہی موٹا ہو، اور نہ بھوک ہی بند ہو (اور)

مصفوفة وزرابى مبثوثه

کتنے (لوگون کے) منہ اوس روز ہشاش بشاش
ہون گے (دنیا مین جو نیک کوشش کرآئے ہین اپنی
(اوس) کوشش (کے نتیجے) سے (بڑے) خوش بہشت
برین مین ہون گے کہ وہان کوئی بیہودہ بات اون کے
کان مین نہین پڑے گی اوس مین چشمے بہ رہے ہونگے
اوس مین اونچے اونچے تخت (بچھے) اور آبخورے
رکھے، اور گاؤتکیے ایک قطار مین لگے ہون گے،
اور عمدہ عمدہ مسندین بچھی ہون گی

ان شجرة الزقوم طعام الاثيم
كالمهل يغلى فى البطون كغلى الحميم
خذوه فاعتلوه الى سواء الجحيم
ثم صبوا فوق راسه من عذاب
الحميم ذق انك انت العزيز
الكريم ان هذا ما كنتم به تمترون
ان المتقين فى مقام امين فى جنت
وعيون يلبسون من سندس
واستبرق متقبلين كذلك
وزوجنهم بحور عين يدعون
فيها بكل فاكهة آمنين

کچھ شک نہین کہ (آخرت مین) تھوہر کا درخت
(بڑے) مجرمون (یعنی کافرون) کا کھانا ہوگا جیسے
گھلا ہوا تانبا (اور) وہ پیٹ مین ایسا کھولے گا
جیسے جلتا ہوا پانی کھولتا ہے، (اس کے علاوہ ہم
فرشتون کو حکم دین گے کہ) اوسکو پکڑو اور گھسیٹتے
ہوئے جہنم کے بیچون بیچ تک لیجاؤ، پھر (اسکو یہ
سزا دو کہ) اوسکے سر پر جلتا ہوا پانی ڈالو، پھر ہم طنزاً
کہین گے کہ اس عذاب کے (مزے) چکھو (کیونکہ تم ہمارے
ہان) تیری بڑی قدر و منزلت ہے، یہی تو وہ (دوزخ)
ہے جسکی نسبت تم لوگ شبہہ کیا کرتے تھے، (رہے)
پرہیزگار (سو وہ) امن کی جگہ (یعنی) باغون اور
چشمون مین ہونگے (نیز) ریشم کی مہین اور دبیز

پوشاکیں پہنے ہوئے (ایک دوسرے کے) آمنے سامنے
بیٹھے (براجرہے) ہون گے، ایسا ہی ہوگا اور (اس کے
علاوہ) بڑی بڑی آنکھون والی حورون کو ہم نے اُنکے
جوڑے لگا دئے ہون گے، وہان اطمینان سے ہر
طرح کے میوے منگا (منگا کر کھا) رہے ہون گے،

اخلاق وتہذیب نفس

اخلاقی تعلیم کے دو طریقے ہین، ایک تو یہ کہ جذبات کو برانگیختہ کرکے لوگون کو محاسنِ اخلاق کی طرف مائل کیا جائے، دوسرے یہ کہ نرمی کے ساتھ واعظانہ لہجے مین اخلاق کی تعلیم دی جائے، پہلے طریقے مین اگرچہ انشاپردازی کی شان زیادہ نمایان ہوتی ہو، لیکن واقعیت سے عدول کرنا پڑتا ہو، قرآن مجید نے یہ دونون طریقے اختیار کئے ہین، لیکن واقعیت سے کسی حالت مین تجاوز نہین کیا ہی،

ومآ ادریک ما العقبة فک	اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری) کیا
رقبة او اطعٰم فی یوم ذی	(مراد) ہے (گھاٹی سے مراد ہی کسی کی) گردن کا (غلامی
مسغبة یتیما ذا مقربة او مسکینا	یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن مین
ذا متربة ثم کان من الذین	یتیم (کو خاصکر جبکہ وہ اپنا) رشتہ دار (بھی) ہو یا محتاج
آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا	خاک نشین کو (کھانا) کھلانا (تو جو ناحق کی شیخی مارتا
بالمرحمة:-	ہی چاہئے تھا کہ اوس گھاٹی مین ہو کر گذرتا) اس کے
	علاوہ اون لوگون (کے زمرے) مین ہوتا جو ایمان
	لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور
	(نیز) ایک دوسرے کو (خلق خدا پر) رحم کرنیکی
یبنی اقم الصلوة وامر بالمعروف	بیٹا نماز پڑھا کر اور (لوگون کو) اچھے کامون کے کرنے

وانه عن المنکر واصبر علی ما	کی نصیحت کیا کر اور برے کامون سے منع کیا کر اور تجھ پر جیسی
اصابک ان ذلک من عزم	پڑے جھیل جیتک یہ بڑی ہمت کے کام ہین اور لوگون سے
الامور ولا تصعر خدک للناس	بے رخی نہ کر اور زمین پر اترا کر نہ چل (کیونکہ) اللہ کسی اترانے
ولا تمش فی الارض مرحا ان	والے شیخی خورے کو پسند نہین کرتا، اور اپنی رفتار مین
اللہ لا یحب کل مختال فخور	میانہ روی (اختیار) کر اور (کسی سے بات کرے تو)
واقصد فی مشیک واغضض من	ہولے سے بول (کیونکہ) آوازون مین بری سے بری آواز
صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر	گدہون کی آواز ہے،

عبادات واعمال

عبادات واعمال کے متعلق بلاغت کا اسلوب صرف یہ ہو کہ ان کے اہم جزئیات اور اہم حکم ومصالح کی تصریح کردی جائے، اور عبارت کی سلاست وروانی مین کوئی فرق نہ آنے پائے، قرآن مجید مین عبادات واعمال کے متعلق جسقدر آیتین ہین اون سب مین اس اسلوب کا لحاظ رکھا گیا ہی، مثلاً:-

واذا ضربتم فی الارض فلیس	اور (مسلمانو!) جب تم (جہاد کیلئے) کہین کو جاؤ،
علیکم جناح ان تقصروا من	اور تم کو خوف ہو کہ (نماز پڑھنے مین کہیں) کافر تم سے
الصلوٰة ان خفتم ان یفتنکم	(لڑائی کی) چھیڑ چھاڑ (نہ) کرنے لگین، تو تم پر کچھ
الذین کفروا ان الکٰفرین کانوا	گناہ نہین، کہ نماز مین سے (کچھ) گھٹا دیا کرو ٹھیک
لکم عدوا مبینا واذا کنت فیهم	کافر تو تمھارے کھلے دشمن ہین، (کہ تمکو اطمینان سے نماز
فاقمت لهم الصلوٰة فلتقم	نہین پڑھنے دین گے، اور (اے پیغمبر) جب تم
طائفة منهم معک ولیاخذوا	مسلمانون (کی فوج) کے ہمراہ ہو اور (امام بنکر)
اسلحتهم فاذا سجدوا فلیکونوا	اون کو نماز پڑھانے لگو تو مسلمانون کی ایک جماعت
من ورائکم ولتات طائفة اخری	(مقتدی بنکر) تمھارے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے

لم يصلوا فليصلوا معك و لياخذوا حذرهم واسلحتهم ودّ الذين كفروا لو تغفلون عن اسلحتكم وامتعتكم فيميلون عليكم ميلة واحدة،

ہتھیار لئے رہین، پھر جب سجدہ کر چکین تو پیچھے ہٹ جائین، اور دوسری جماعت جو (ابتک) شریک نماز نہین ہوئی آکر تمھارے ساتھ نماز مین شریک ہو، اور ہوشیاری (رکھین) اور اپنے ہتھیار لئے رہین، کافرون کی (تو) یہ تمنا ہی کہ تم (ذرا بھی) اپنے ہتھیارون اور ساز و سامان (جنگ) سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑین،

معاملات و معاشرتی تعلقات

معاملات و معاشرتی تعلقات کے متعلق جو آیتین ہین، ان کا بھی یہی حال ہی، البتہ عبادات و معاملات مین جہان اخلاقی جذبات کی آمیزش ہو گئی ہے، وہان اس قسم کی آیتون مین بھی انشاپردازی کا غیر معمولی زور و اثر پیدا ہو گیا ہی، مثلاً

يا ايها الذين آمنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمن والاذى كالذي ينفق ماله رئاء الناس ولا يومن بالله واليوم الآخر فمثله كمثل صفوان عليه تراب فاصابه وابل فتركه صلدا لا يقدرون على شيء مما كسبوا والله لا يهدي القوم الكفرين ومثل الذين ينفقون اموالهم ابتغاء

مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور (سائل کو) ایذا دینے سے اس شخص کی طرح اکارت مت کرو جو اپنا مال لوگون کے دکھاوے کیلئے خرچ کرتا ہی اور اللہ اور روزِ آخرت کا یقین نہین رکھتا تو اوسکی (خیرات کی) مثال چٹان کیسی ہی، کہ اوس پر کچھ تھوڑی سی مٹی (پڑی) ہی، پھر اوس پر برسا زور کا مینہ اور اوس کو سپاٹ کر کے بہالے گیا (اسی طرح قیامت مین) ریاکارون کو اوس (خیرات) مین سے جو اونھون نے کی تھی کچھ بھی ہاتھ نہیں لگے گا، اور اللہ اون لوگون

مرضات الله وتثبيتا من انفسهم كمثل جنة بربوة اصابها وابل فاتت اكلها ضعفين فان لم يصبها وابل فطل والله بما تعملون بصيره

کو جو (نعمت کی) ناشکری کرتے ہین، ہدایت نہین دیا کرتا، اور جو لوگ خدا کی رضا جوئی کیلئے اور اپنی نیت ثابت رکھکر اپنے مال خرچ کرتے ہین، اونکی مثال ایک باغ کیسی ہی جو اونچے پر (واقع) ہی، اوس پر زور کا مینہ پڑا تو وہ اپنا دو چند پھل لایا، اور اگر اوس پر زور کا مینہ نہ (بھی) پڑا تو اوسکو (ہلکی پھوار (ہی) بس کرتی ہی، اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ

ان الذين يأكلون اموال اليتمى ظلما انما يأكلون في بطونهم نارا

جو لوگ ناحق (ناروا) یتیمون کے مال خورد برد کرتے ہین، وہ اپنے پیٹ مین بس انگارے بھرتے ہین

الذين يأكلون الربوا لا يقومون الا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطن من المس

جو لوگ سود کھاتے ہین (قیامت کے دن) کھڑے نہین ہو سکینگے، مگر اوس شخص کا سا کھڑا ہونا جسکو شیطان نے

تاریخ و قصص

تاریخ و قصص کا بھی یہی حال ہی، واقعہ نگاری کے ساتھ ساتھ عبارت کی سلاست و روانی ہر جگہ یکسان طور پر قائم ہی، لیکن جہان کسی ہولناک واقعہ کا ذکر آگیا ہی، وہان غیر معمولی زور و اثر پیدا ہو گیا ہی، مثلاً حضرتِ نوح علیہ السلام کے قصے مین ہمارے اہل معانی نے اس آیت کو

وقيل يا ارض ابلعي ماءك ويسماء اقلعي وغيض الماء وقضي الامر واستوت على الجودي وقيل بعدا للقوم الظلمين

اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی (کا چڑھاؤ) اوتر گیا اور (قوم کا) کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر جا ٹھہری اور (چار دانگ عالم مین) پکار دیا گیا کہ ظالم

زورِ بیان اور بلاغت کی اعلیٰ مثال قرار دیا ہی،

شعرائے عجم کی عربی شاعری

از

جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڑھی،

عربی زبان اور اہل عجم اسلام کی ابتدائی صدیون مین عربی زبان ہی صرف ایسی زبان تھی، جواس وقت تمام ممالک اسلامیہ مین اظہار خیال کا بہترین آلہ سمجھی جاتی تھی[1]، چنانچہ چوتھی صدی ہجری تک عربی تمام اسلامی دنیا کی علمی زبان بنی ہوئی تھی، اور اس کے بعد بھی تقریبًا ساتوین صدی مین حملۂ تاتار تک اسی ایک زبان مین علمی تصانیف لکھی جاتی تھین[2]، اس لحاظ سے عالم اسلامی کے طول وعرض مین عربی زبان کا وہی علمی درجہ تھا، جو لاطینی زبان کو ازمنۂ وسطیٰ کے یورپ مین حاصل تھا، اور گو عام طور پر عربی زبان بول چال اور روزمرّہ گفتگو مین استعمال نہ کی جاتی ہو، لیکن مدارس اور دارالعلومون مین اسی زبان مین نوشت وخواند ہوتی تھی،

عربی زبان کا یہ رنگ گو کچھ عرصہ تک قومی اور ملکی اثرات کی وجہ سے کچھ پھیکا پڑ گیا، لیکن عام طور پر اہل عجم اس سے دست بردار نہ ہوسکے، اور کیسے ہوسکتے تھے جب کہ مدتون تک تحصیل علم کیلئے عربی زبان ذریعۂ تعلیم بنی ہوئی تھی، اور ہم دیکھتے ہین کہ ان بے شمار فارسی شعراء مین جو لوگ علوم نقلیہ وعقلیہ مین دستگاہ رکھتے تھے ان کا کلام عربی کی اصطلاحات، محاورات، ضرب الامثال اور تلمیحات سے لبریز ہے،

عربی شاعری کی تقلید اہل ایران مین اگرچہ فارسی شاعری کی ابتدا تیسری صدی مین ہوچکی تھی[3]، اور اسی

[1] تاریخ ادبیات ایران از پروفیسر براؤن جلد دوم صفحہ ۲ و ۳، [2] تاریخ ادب العرب از نکلسن صفحہ ۲۷۰، [3] ادبیات ایران جلد اول صفحہ ۱۳

وقت سے گو عام طور پر عجمی شعراء فارسی شعرگوئی کی طرف مائل ہوگئے تھے، لیکن عربی زبان کے ادب اور شاعری نے زمانہ تک اُن کا ساتھ نہین چھوڑا تھا، اس لئے اگر ایک طرف وہ اپنی مادری زبان مین شعر کہتے تھے، تو دوسری طرف عربی شعراء کے دواوین بھی ان کے پیش نظر رہتے تھے، اور وہ ان سے برابر استفادہ کرتے رہتے تھے، بلکہ ایک حد تک یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عربی شاعری پر انھون نے اپنی شاعری کی بنیاد رکھی، عجمی شاعری کے فاضل مورخ کا بیان ہے کہ:

"اوّل اوّل ایرانی شعراء عربی شاعری سامنے رکھ کر شعر کہتے تھے، مشق کی ابتدا یہ تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ لفظی کرتے تھے، آج بہت سے فارسی قطعے، فرد بلکہ قصیدے موجود ہین، جن کو عام لوگ ایران کا سرمایہ سمجھتے ہین، لیکن درحقیقت وہ عربی اشعار کے ترجمے ہین، اور مترجمون نے دانستہ ترجمہ کیا ہے تاکہ شعراء کے لئے نمونے ہاتھ آئین[1]"

صرف اسی پر اکتفا نہین کیا گیا، بلکہ اشعار عرب کے پورے مضامین تک اڑا لئے گئے، اور ان کو فارسی کے حجاب مین ایسا مستور بنا دیا، کہ عربی ادب سے ناواقف لوگ ان کا عربی جلوہ نہ دیکھ سکے، چنانچہ مولانا فرماتے ہین:-

"اس پردہ مین سرقہ شروع ہوگیا، عنصری، اسدی، کسائی، مروزی، غضائری کے ہان بہت سے مضامین ہین جو قطعًا عرب سے لئے ہین، لیکن چونکہ لوگون کی نظر کلام عرب پر نہین ہے، اس لئے کسی نے سرقہ یا ترجمہ کا خیال نہین کیا ہے[2]"

عجم کے نامور شعراء باایں ہمہ بلند پروازی اور علوِ فکر کے عربی شاعری کی فضیلت اور عربی شعراء کی قدر ومنزلت سے منہ نہین موڑ سکے، بلکہ ہر موقع پر ان کو اعتراف ہی کرتے بنا ہو کہ شاعری مین ان کے استاد عرب تھے، چنانچہ انوری لکھتا ہے:-

[1] شعر العجم جلد چہارم صفحہ ۱۲۱، [2] ایضًا صفحہ ۱۲۴،

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود   اوّل شان امرأ القیس آخر شان بو فراس[1]

عربی شاعری میں شعرائے عجم کا حصہ

فارسی اور ایرانی شعرا نے عربی شاعری میں اپنا جو حصہ پیش کیا ہے، وہ بجائے خود ایک دلچسپ اور مستقل موضوع ہے، جس پر اب تک بہت کم توجہ کی گئی ہے، اور جس پر پروفیسر براؤن ان الفاظ میں اظہار تعجب کرتے ہیں:-

"میں اس بات پر تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ وہ لوگ جنھیں فارسی ادبیات سے دلچسپی ہے (بشرطیکہ وہ ادبیات کو محض اظہار زبان دانی نہ سمجھتے ہوں، بلکہ کسی قوم کی دماغی اور ذہنی پیداوار)، انھوں نے ایسے موضوع پر مطالعہ کے ایسے وسیع میدان کو اب تک کیوں نظر انداز کر رکھا ہوگا؟ رہے وہ لوگ جنھیں تمامتر عربوں اور دیگر سیماطیقی اقوام سے سروکار ہے، تو وہ طبعاً یہ زحمت گوارا نہ کریں گے"[2]

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:-

"قاعدہ کی بات ہے کہ عربی کے ادیب کیلئے یہ موضوع کچھ زیادہ دلچسپ اور قابلِ توجہ نہیں ہو سکتا، اس لئے قدرتی طور پر وہ اس کی طرف مائل نہیں ہوتا، گو وہ اس کو کلاسیکل بھی خیال کرتا ہو، جب کہ ادب فارسی کا محقق بہت دیر میں جا کر اس امر کی تصدیق کرے گا، کہ تاریخی اور ادبی مقصد کے لئے لسانیات کا نقطۂ نظر بہت گمراہ کن ہے، یعنی کہ سنسکرت اور آرین زبانوں سے اُسے اسقدر سروکار رکھنے کی ضرورت نہیں ہے جتنی کہ عربی سے"[3]

شعراء ذو اللسانین عربی تذکروں میں

پروفیسر براؤن کا یہ قول صحیح ہے کہ فارسی کے محققینِ ادب نے اس میدان میں گام فرسائی نہیں کی، لیکن عربی کے بعض ادیبوں نے اپنی قابلِ قدر تصانیف میں اس موضوع پر بہت اہم اور کارآمد مواد اکٹھا کر دیا ہے، چنانچہ ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں اور باخرزی نے دمیۃ القصر میں بعض ان عجمی شعراء کا کلام درج کیا ہے جن کو ذو اللسانین (دو زبانوں میں شعر کہنے والے) کہتے ہیں،

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۱۱۲، [2] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول صفحہ ۴۴۲، [3] ایضاً صفحہ ۴۴۷

لیکن ان کی یہ تصانیف ان کی ذاتی معلومات و واقفیت کے لحاظ سے ایک حد تک محدود ہیں، کہ ان میں سے اول الذکر صرف چوتھی صدی اور اس سے پہلے، اور ثانی الذکر چھٹی صدی اور اس سے پہلے کے شعراء کا تذکرہ ہے، جنمیں بعض فارسی گو شعرائے عجم کا عربی کلام نقل کیا گیا ہے، لیکن متعدد مشاہیر شعرائے عجم کا عربی کلام زیادہ تر ان کے فارسی کلام کے مجموعوں اور دواوین کے سوا کہیں نہیں ملتا، ان کے بعد دسویں صدی ہجری میں ابن معصوم نے سلافۃ العصر جیسی ضخیم کتاب لکھ کر بعض متاخرین شعرائے عجم کے عربی کلام کے نمونے پیش کئے ہیں، مگر وہ بقول مصنف صرف دسویں صدی کے شعراء تک محدود ہے[1]، یہی وجہ ہے کہ ان عربی تذکروں میں ہم اُن مشاہیر فارسی شعراء کا کلام نہیں پاتے، جو فلکِ شاعری کے درخشان ستارے مانے گئے ہیں، اور جنھوں نے بہ نسبت عربی کے فارسی میں زیادہ شہرت حاصل کی ہے،

عجمی شعراء کا کلام صحیح طور پر عربی نہیں ہے

عجمی شعراء کا عربی کلام طرزِ ادا اور اسلوبِ بیان کے لحاظ سے عجمی ہے، اور گو محاورات اور زبان کے لحاظ سے وہ صحیح عربی ہو، لیکن یہ ان ٹھیٹھ عربی خصوصیات سے معرّیٰ ہے جو عرب کے شعرائے متقدمین کے کلام میں پائی جاتی ہیں، "اسی لئے ان متاخرین کی عربی شاعری کو نقادانِ فنِ عربی نہیں کہتے"[2] پروفیسر براؤن لکھتے ہیں:-

"بحیثیت زبان و محاورات کے وہ قریب قریب "عربی" ہی ہے، گو وہ اس سطحِ شاعری کو نہ پہنچتا ہو، جو ان ممالک میں پیدا ہوئی، جہاں عربی مادری زبان تھی"[3]

علامہ ابن خلدون جنھوں نے اپنے مقدمہ تاریخ میں "ملکۂ لسانی" کے نظریہ پر بحث کی ہے، اس بات کو تسلیم کرتے ہیں، کہ اہل عجم عربی کے ملکۂ لسانی سے بہت دُور جا پڑے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:-

"اور یہ ملکۂ لسانی اس عہد (عباسی) میں بہت پختہ تھا، اور مشرق میں جید شعراء اور انشا پردازوں کی کثرت عربوں اور ان کی اولاد کی کثرت کی وجہ سے تھی، اور مشرق میں یہ ملکہ بنی امیہ اور بنی عباس کے

[1] سلافۃ العصر فی محاسن الشعراء بکل مصر صـ ۹ مصر [2] شعر العجم جلد اول صـ ۱۹۷ [3] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول صـ ۴۴۲

عہدِ حکومت میں بہت مضبوطی کے ساتھ قائم رہا، اس وقت ان میں ایسے لوگ تھے، جو بلاغت میں عربِ جاہلیت سے بڑھے ہوئے تھے، جیسا کہ ہم بعد میں ذکر کرین گے، یہان تک کہ عربون کی حکومت مٹنے کے ساتھ ہی ان کی زبان بھی مٹ گئی، اور ان کا کلام بگڑ گیا، ان کی سلطنت عجمیون کے ہاتھون مین چلی گئی، اور وہ غالب ہوگئے، یہ دیلمیون اور سلجوقیون کے عہدِ حکومت مین ہوا، اور اہلِ شہر اور متمدن لوگون سے ان کا میل جول ہو گیا، یہان تک کہ وہ عربی زبان اور اسکے ملکہ کو دور جا پڑے، اور ان کے متعلم اس زبان کی تحصیل سے قاصر رہے، اور اس زمانہ مین فنِ نظم و نثر مین ہم ان کی زبان کو ایسا ہی پاتے ہین اگرچہ ان دونون فنون مین انھون نے بہت کچھ لکھا ہی[1]

اس کے ساتھ ہی ابن خلدون کی یہ رائے بھی ہو کہ ایک عجمی جو شروع ہی سے فارسی زبان مین دستگاہ رکھتا ہے، وہ عربی زبان کے ملکہ پر قادر نہین ہو سکتا[2]

قدیم اور جدید شاعری

یہی وجہ ہے کہ شعرِ عرب کے ناقدین، متاخرین شعرا، (جن مین اکثر اہلِ عجم ہین) کی عربی شاعری کو کلاسیکل نہین مانتے، اس نکتہ کو واضح کرنے کیلئے قدیم اور جدید شاعری کے فرق اور امتیاز کی وجوہ معلوم کرنا ضروری ہین،

اسلام کی ابتدائی صدیون کے بعض نقادانِ سخن کے نزدیک جو زیادہ تر زباندان ہوتے تھے اصلی شاعری صرف شعرائے جاہلیت کی کہی جا سکتی ہے، بلکہ ان کے خیال مین کسی شاعر کا بعد از اسلام پیدا ہونا ہی نقصِ شاعری کی دلیل تھی، چنانچہ ابو عمرو بن العلاء نے اخطل کی نسبت کہا تھا کہ اگر اس نے عہدِ جاہلیت مین ایک دن بھی بسر کیا ہوتا تو مین کسی شاعر کو اس پر ترجیح نہ دیتا[3] یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ کے ناقدین اور زباندانون کے حلقون مین یہ خیالات جاگزین ہو گئے تھے، اور ان کا اثر عام مذاقِ سخن پر بھی اس حد تک پڑ چکا تھا، کہ عروض اور نحو کے ماہرین جس شاعر کے کلام پر چاہتے، اعتراض جڑ دیتے، اور اس کو غیر عربی ٹھہرا

۱؎ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۴۳، ۵۵۲ طبع بولاق ۲؎ ایضاً ص ۵۴۲ ۳؎ کتاب الاغانی جلد اول صفحہ ۱۰۸،

دیتے تھے، ان کے نزدیک بدویانہ زندگی کی تصویر نظم مین کھینچنا ہی کمالِ شاعری کی معراج سمجھا جاتا تھا، اسی بنا پر ابن خلدون نے شعرائے مولدین مثلاً متنبی اور ابو العلاء المعری وغیرہ کے کلام کو "کلاسیکل" نہین مانا، کیونکہ وہ اسالیبِ عرب پر نہین ہے[1] مگر بعضون نے اس "قدامت پسندی" سے اعراض کرکے اس رسمی پابندی کو لغو قرار دیا تھا، چنانچہ مشہور عربی شاعر ابو نواس باوجود قدیم عربی شاعری کے اسلوب کا پابند ہونے اسکو ترک کر دینے کی استدعا اس لطیف پیرایہ مین کرتا ہے،:-

صفة الطلول بلاغة القدم	کھنڈرون کی تعریف کرنا قدیم شعرا کی بلاغت ہے
فاجعل صفاتك لابنة الكرم	اب تم دختر انگور کی تعریف بیان کرو
ولا تخدع عن التى جعلت	اور ہرگز اس سے فریب بازی نہ کرو
سقم الصحيح وصحة السقم	جو تندرست کی بیماری اور بیمار کی تندرستی ہے،
تصف الطلول على السماع بها	تم محض سنکر کھنڈرون کی تعریف کر رہے ہو
افذو العيان كانت فى الحلم	گویا تم نے ان کو اپنی آنکھون سے دیکھا ہے،
واذا وصفت الشئ متبعاً	لیکن محض تقلیداً کسی چیز کی تعریف کروگے تو
لم تخل من غلط ومن وهم[2]	وہ غلطی اور توہم سے خالی نہ ہوگی،

اسی طرح بعض منصف مزاج ماہرینِ فن نے بھی اصل عربی شاعری کے اس معیار کو ضروری نہین سمجھا، بلکہ شعر کی خوبیون کو بندش، طرزِ ادا، اور نفاستِ خیال پر منحصر کر دیا، چنانچہ تیسری صدی کے ایک مشہور ادیب اور مورخ ابن قتیبہ اپنے زمانہ کے نقادانِ سخن کے عام مذاق کے خلاف لکھتے ہین:-

مین نے اپنے زمانہ کے علما، کو دیکھا ہی کہ وہ ایک پست شعر کو شاعر کے تقدم زمانی کے لحاظ سے بلند

۱؎ مقدمہ ص ۵۶۹، ۲؎ العمدة لابن رشیق، جلد اول صفحہ ۵۸،

کہہ دیتے ہین، اور اس کو اپنے پسندیدہ کلام مین شمار کرتے ہین، اور بلند شعر کو پست ٹھہرا دیتے ہین، جس کا عیب صرف یہ ہی کہ وہ ان کے زمانہ مین کہا گیا ہے، اور انھون نے اس کے قائل کو دیکھا ہی، مگر خداوند تعالیٰ نے فنِ شعر، علم اور بلاغۃ کو کسی خاص عہد کے ساتھ مخصوص نہین کر دیا، بلکہ اپنے بندون مین مشترک طور پر تقسیم کیا ہی، اور اونکی ہر قدیم چیز کو اس کے زمانہ مین جدید بنایا ہی، اور بہترین چیز کو اوسکے ابتدائی زمانہ مین خارج (غیر مروج) ٹھہرایا ہی[1]"

ابن قتیبہ نے شاعری کا اعلیٰ معیار صرف "حسنِ کلام" کو قرار دیا ہے، لیکن بعض ناقدین قدیم شعرائے جاہلیت پر شعرائے مخضرمین اور ابتدائی عہدِ اسلام کے شاعرون کو ترجیح دیتے ہین، اس لئے کہ وہ صحیفہ آسمانی اور حدیث نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی معجزانہ فصاحت و بلاغت سے واقف ہو چکے تھے، جس کی وجہ سے ان کے اشعار مین صفائی اور روانی پیدا ہو گئی تھی، اسی لئے ان کے نزدیک شعرائے مخضرمین حضرت حسان بن ثابت عمر بن ابی ربیعہ حطیئہ، جریر، فرزدق، نصیب، غیلان، ذوالرمہ، احوص، اور بشار بن برد کا کلام شعرائے جاہلیت پر سبقت لیگیا ہے[2]، اس سے آگے بڑھ کر بعض نقاد تو یہان تک مانتے ہین کہ شعرائے مولدین سلاست اور صفائی مین متقدمین پر سبقت لے گئے ہین، چنانچہ اندلس کا نامور شاعر اور نقاد ابن رشیق لکھتا ہی کہ مولدین کا کلام شیرین بیانی، روانی، حلاوت اور سلاست کی وجہ سے زیادہ پڑھا جاتا ہی اور متاخرین بھی متقدمین کے مسلک پر چلتے یعنی ان کے اشعار کے تتبع مین صحرا، چوپایون اور حشرات الارض کا ذکر کرتے تو ان کا کلام اسقدر مطبوعِ طبع نہ ہوتا[3]،

عجمیون کی عربی شاعری کی خصوصیات

اسلامی عہدِ حکومت مین دوسری صدی ہجری کی ابتدا ہی سے، عجمی اثرات روز افزون ہونے لگے تھے، چنانچہ سیاسیات، تمدن اور ادبیات پر بھی ان کا گہرا اثر پڑنے لگا تھا، ہارون الرشید کے عہدِ خلافت مین برامکہ کی بدولت عربی کے ادب و شاعری مین ایک

[1] کتاب الشعر والشعراء ص[illegible] [2] مقدمہ ابن خلدون ص[illegible] [3] العمدۃ جلد اول صفحہ[illegible]،

تغیر عظیم پیدا ہو چلا تھا، عرب کے اسلوب پر لمبے لمبے قصائد لکھنا موقوف ہو گئے تھے، اور ان کا تتبع غیر ضروری خیال کیا جاتا تھا، اس طرح عربی شاعری مین ایک نئی تحریک وجود مین آ رہی تھی، جس نے ساحلِ دجلہ پر جنم لیا، جہان پرشوکت بارگاہ خلافت کی قدر دانیون اور حوصلہ افزائیون نے اربابِ شعر و ادب کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا تھا،

ہم اوپر بتا چکے ہین کہ ابتدا مین اہل عجم شاعری مین عرب کا اتباع کرتے تھے، مگر ایک مدت کے بعد خود عربی شاعری پر عجمی اثرات پڑنے لگے، چنانچہ "عجم کی شاعری نے آنکھیں کھولین، تو عربی شاعری خود عجمی بن چکی تھی، صرف زبان کا فرق تھا، اس لئے ایران کی شاعری نے بظاہر عرب کی تقلید کی لیکن درحقیقت وہ اپنی ہی تقلید تھی، کیونکہ عربی شاعری کا تغیر عجم ہی کا اثر تھا[1]"

عجمی اثرات کی وجہ سے عربی شاعری مین جو جو تغیرات رونما ہوئے اور اس پر ملکی و وطنی، قومی و اجتماعی، ادبی و لسانی خصوصیات نے جو اثر ڈالا، اس کو تفصیل سے بتانا ذرا مشکل ہی، تاہم اجمالی طور پر اس عجمی عربی شاعری کی بعض خصوصیات کا یہان ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:-

(۱) فارسی زبان کے اثرات :-

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انسان کے خیالات و جذبات اپنے اطراف اور ماحول سے متاثر ہوتے ہین، ملکی اور وطنی خصوصیات مین زبان کا اثر سب سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ممالک اسلامیہ مین تیسری اور چوتھی صدی ہجری مین عجمیون کے ہاتھون جو ادبی ذخیرہ جمع ہو رہا تھا، اس کا اثر عربی ادب پر بالواسطہ ہونا لازمی تھا، چنانچہ امثال و محاورات، بندشِ مضامین اور طرزِ ادائے اظہارِ خیال اور اسلوبِ بیان کے جو طریقے فارسی ادب مین رائج تھے، اون کو شعرائے عجم نے اپنی عربی

[1] شعر العجم جلد چہارم صفحہ ۱۲۹،

شاعری مین بھی منتقل کرنا شروع کیا، حتی کہ ان کی ترکیب شعری مین فارسی کا لسانی پہلو نظر آنے لگا، یا یون کہو کہ عربیت کی بجائے عجمیت آگئی، اس کے ثبوت مین شعرائے عجم کے وہ عربی اشعار پیش کئے جا سکتے ہین جنمین فارسی زبان کے اثرات نمایان طور پر نظر آتے ہین،

بعض اوقات عربی اشعار مین قصداً فارسی الفاظ استعمال کئے گئے ہین جن سے مقصد محض تفنن طبع ہوتا تھا، چنانچہ بصرہ والے اہل فارس کے بعض کلمات اپنے اشعار مین استعمال کیا کرتے تھے جیسا کہ ابن رشیق نے لکھا ہے:-

بسا اوقات ایک شہر مین ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہین جو دوسرے شہر مین مستعمل نہیں ہوتے، مثلاً اہل بصرہ کا اہل فارس کے بعض کلام کو اپنی اشعار اور نوادر حکایات مین استعمال کرنا[1]

(۲) قومی اور معاشرتی خصوصیات:-

عجمیون کی عربی شاعری مین ہم بدویانہ زندگی کی سادگی، بے تکلفی، اور فطری جذبات کی بجائے ایک طرح کی رنگینی خیال، آورد اور تصنع پاتے ہین، جنکو ایرانی زندگی کے پر تکلف عیش اور سامان حضارۃ نے پیدا کر دیا تھا، اہل عجم کے تمدن و معاشرت، قومی شعائر، خصائص ملی، اور عوائد و رسوم عرب سے مختلف اور جداگانہ تھے، اس لئے لازمی طور پر ان کی شاعری بھی انھی خیالات کے زیر اثر رہی، چنانچہ ان کے اکثر عربی اشعار مین ہم کو ان کی سیرۃ اور عوائد رسمیہ سے متعلق کئی الفاظ ایسے ملتے ہین جو ان کو عربون سے ممتاز کرتے ہین، مثلاً ان کی رسومات، آداب معاشرت، قومی تہوار، ملکی لباس وغیرہ کی نسبت متعدد اشارات پائے جاتے ہین،

(۳) فارسی کے اوزان و بحور کا استعمال:-

اگرچہ زمانۂ اسلام مین ایرانیون نے شعر گوئی مین عربی عروض کی تقلید کی تاہم اپنے قدیم

[1] العمدۃ ج ۱ ص ۵۸،

اوزان و بحور کو بھی یک لخت ترک نہین کر دیا تھا، البتہ عربی اوزان کو مطبوع طبع نہ پا کر انھون نے عربی اوزان مین تصرفات کئے، مثلاً بحر ہزج اور بحر رمل کو جو عربی مین دراصل مسدس مین مثمن کر لیا یا مسدس مین بعض زحافات بڑھا دئے جس سے سامعین کو اشکراہ نہ ہو، اور اشعار کے وزن مین بھی ثقل نہ رہے، اسی طرح ہزج اور رمل کی بحور مسدس سالم مین اگرچہ انھون نے شعر نہین کہا لیکن ان دونون بحرون کے مزاحفات فارسی کے مشہور ترین اوزان ہین، مثلاً نظامی کی شیرین و خسرو اور لیلی مجنون، مولانا روم کی مثنوی،

فارسی کے قدیم ترین اوزان مین سے دوبیت یا رباعی ہے، اس وزن مین ان کے ہان گیت گایا جاتا تھا، جسکو "ترانہ" کہتے تھے[1] عہد اسلام مین فارسی کا جو قدیم ترین شعر بتایا جاتا ہے، وہ اسی وزن مین ہے[2] رباعی کا یہ وزن دراصل ہزج کی انواع اخرب اور اخرم مین سے[3] ہے، اور عجمیون نے اس بحر مین عربی اشعار لکھے ہین، ان سے پہلے عرب اس وزن پر شعر نہ کہتے تھے، المیزان الوافی مین لکھا ہے:-

"متقدمین عرب کے ہان سوائے قطعات اور قصائد کے کچھ نہ تھا، متاخرین نے اشعار کی تمام انواع عجم سے لین، جیسے رباعی جو دوبیت کے نام سے، اور مزدوجہ جو مثنوی کے نام سے[4] مشہور ہین"

رباعی کے وزن پر بعض اشعار پانچوین صدی ہجری مین ملتے ہین، چنانچہ ایک عجمی شاعر احمد بن

[1] المعجم فی معاییر اشعار عجم مطبوعۂ یورپ صفحہ ۹۰، [2] عوفی، شمس قیس اور دولت شاہ نے قدیم شعر کی مثال مین ایک مصرع نقل کیا ہے، جو حسب ذیل روایات پر مبنی ہے، ایک لڑکا آخروٹون سے کھیل رہا تھا، ایک اخروٹ لڑھکتے لڑھکتے ایک گڑھے مین جا گرا، بچہ کے منہ سے بیساختہ نکل گیا "غلتان غلتان ہمی رود تا لب گو" ایک شاعر نے جو وہان کھڑا ہوا تھا، کلام موزون سمجھ کر اس پر تین مصرعے اور لگا دئے، اور دوبیتی نام رکھا، کچھ دنون کے بعد اس کو رباعی کہنے لگے، شمس قیس کا بیان ہو کہ یہ شاعر رودکی تھا، ص ۸۹، ۸۸، [3] المعجم ص ۹۰، [4] ہفت آسمان صفحہ ۴

الحسین الخطیب نے جو عربی اور فارسی کا شاعر تھا، حسب ذیل رباعیاں لکھی ہیں، :-

قد حاض فراقہ قراری واللہ (۱) واستهلت هجرہ قراری واللہ
اذری الدمع لیلی ونهاری واللہ لم یغن عن الهوی حذاری واللہ

ابلی جسدی هوی ظلوم جانی قد هجن قدہ قضیب البان
یا من ضحی و ماله من ثانی (۲) ما ضرک لو فککت هذا العانی

باخرزی نے یہ رباعیات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ میں اس طریقہ سے بالکل گوش آشنا نہ تھا لیکن میرے والد نے اس طرز پر مجھے ابو العباس باخرزی کی یہ رباعی سنائی :-

قد صیرنی الهوی اسیر الذلة واستهلکنی وما بجسمی علة
واستاصل هجرہ بصبری کلہ لا حول ولا قوة الا باللہ

اس کے بعد باخرزی نے اپنے والد کی دو رباعیاں نقل کی ہیں[1]، شمس الدین محمد بن قیس رازی (صاحب المعجم) کے زمانہ میں ساتویں صدی کے نصف اول میں اس وزن پر عربی رباعیات تمام بلادِ عرب میں شائع اور متداول ہو چکی تھیں[2]،

رباعی کے علاوہ عجمیوں کی ایک اور ایجاد ہے جس کا نام انھوں نے مثنوی رکھا ہے، جسمیں ہر شعر میں علحدہ دو دو قافیے ہوتے ہیں، عربی میں بھی اس نہج پر شعر کہے گئے ہیں، اور اس کا نام مزدوج رکھا گیا ہے، بعد میں عربی شعراء نے بھی مثنوی کے طرز پر اشعار لکھے ہیں، چنانچہ ابن المعتز کا قصیدہ مزدوجہ مشہور ہے، آزاد بلگرامی نے مثنوی کے نمونہ کے طور پر شیخ بہاء الدین عاملی کے بعض اشعار نقل کئے ہیں[3] :-

عربی میں ذو القافیتین اشعار کی ایجاد بھی عجمیوں نے کی ہے، چنانچہ رشید وطواط نے حدائق السحر میں

[1] دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر صہ ۱۲۷ طبع حلب، [2] المعجم صفحہ ۹۰، [3] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان صہ ۱۳۲ طبع بمبئی

مسعود سعد سلمان کے یہ اشعار مثال میں پیش کئے ہیں،

یا لیلة اظلمت علینا، لیلاء قاریة الدجنه
قد راکضت فی الدجی علینا دهماء خدارية الاعنه
فبت انتا سهما فکانت حبلی نهارية الاجنه[1]

اشعار بالا کا یہ وزن مفعول مفاعلن فعولن فارسی والوں کا ہے، لیکن بعض عربی شعراء نے بھی اسکو استعمال کیا ہے، چنانچہ بہاء زہیر مصری کے اشعار ذیل ملاحظہ ہوں، :-

یا من لعبت به شمول ما الطف هذه الشمائل
نشوان یهزہ دلال کالغصن مع النسیم مائل[2] الخ

اگرچہ یہ بحر عربی عروض کی بحروں میں داخل نہیں ہے، مگر صفدی نے اس کو بحر وافر کی ایک قسم بتایا ہے[3] :-

تلمیعات

فن بدیع کی ایک قسم تلمیع ہے جو عجمی اثرات کا نتیجہ ہے، رشید وطواط نے حدائق السحر میں اس کا ذکر کیا ہے، چنانچہ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں، :-

"تلمیع لغۃ میں گھوڑے کے جسم پر ان دھبوں یا داغوں کو کہتے ہیں جو اس کے رنگ سے مخالف ہوں اور اصطلاح میں اس نظم کو کہتے ہیں جو عربی اور فارسی یا کسی دوسری زبان سے مرکب ہو، اس طرح کہ ایک ایک مصرعہ عربی میں ہو، اور ایک ایک مصرعہ فارسی میں، یا ایک بیت عربی میں اور ایک بیت فارسی میں، یا ایک بیت سے زائد ہو، وطواط نے حدائق السحر میں اس کا ذکر کیا ہے[4]"

[1] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۲۸، [2] ایضاً صفحہ ۱۳۲، ۱۳۴، [3] شرح لامیۃ العجم للصفدی ج ا صفحہ ۳۲، [4] سبحۃ المرجان صہ ۲۰۰،

اس صنعت کا رواج کب سے ہوا یہ بتانا دشوار ہے، تاہم چوتھی صدی ہجری کے بعد عجمیون نے فارسی آمیز عربی یا عربی آمیز فارسی اشعار لکھنا شروع کر دیا تھا، چنانچہ اس قسم کے اشعار جنمین ایک مصرعہ فارسی اور ایک مصرعہ عربی ہوتا ہے، یا فارسی اشعار کے ساتھ خالص عربی اشعار ہوتے ہین، متعدد شعرا کے کلام مین پائے جاتے ہین، خصوصاً مشاہیر شعرائے فارسی مین، انوری، سعدی، خسرو، حافظ، عماد، اور جامی کے ہان ملمعات پائے جاتے ہین، بلکہ سعدی کے کلیات مین تو ایک خاص مجموعۂ اشعار "ملمعات" کے نام سے شامل ہے[1]،

فارسی شعرا کا عربی کلام

فارسی شعرا مین ایک خاصی تعداد ایسے شعرا کی ملے گی جنھون نے عربی زبان مین بھی اشعار موزون کئے ہین، ان مین ایسے شعرا بھی تھے، جو دونون زبانون مین شعر کہنے کی قدرت رکھتے تھے، چنانچہ ایسے عجمی شعرا کا جنھون نے عربی مین شعر کہے ہین، ثعالبی نے یتیمۃ الدھر[3] مین، اور باخرزی نے دمیۃ القصر مین ذکر کیا ہے، اور ان کے عربی کلام کے نمونے بھی نقل کئے ہین، ایسے شعرا کو وہ ذو اللسانین کہتے ہین، ان کے علاوہ اور مشاہیر شعرا فارسی کے عربی اشعار ان کے دواوین اور کلیات مین پائے جاتے ہین، فارسی کے مشاہیر شعرا مین عربی گو شعرا بہت کم ہین، ہم یہان ان کے عربی کلام کا ذکر کرتے ہین :-

(۱) فارسی شعرا مین صرف مسعود سعد سلمان ایک ایسا شاعر تھا، جس نے فارسی اور ہندی کے علاوہ عربی مین بھی اپنا دیوان مرتب کیا تھا[4]، دولت شاہ بھی اس کی نسبت لکھتا ہے کہ "اشعار عربی بسیار دارد[5]" وہ خود بھی دعوی کرتا ہے،

زبان دولت عالی بہ بندہ داد پیام   کہ اے ترا دو زبان پارسی و تازی رام

[1] کلیات سعدی (نولکشور) قصائد فارسیہ ص ۵ تا ۶۳   [3] جلد چہارم صفحات ۱۵۰، ۱۷۴، ۲۲۰، ۲۲۷، ۲۶۴

[4] لباب الالباب عوفی جلد دوم ص ۲۴۶   [5] تذکرہ (طبع بمبئی) صفحہ ۹

منم کاندر عرب و اندر عجم کس   نباشد چون من از چیرہ زبانی
بجود آرد بہ پیش خاطر من   روان رودکی و ابن ھانی[1]

حدائق السحر مین رشید وطواط نے بدایع کی مثالون مین اس کے عربی اشعار نقل کئے ہین جنکو آزاد نے حدائق سے لیا ہے[2] :-

ثق بالحسام فعھد لا میمون   وارکب وقل للنصر کن فیکون
تلوار کو مضبوط پکڑ کہ اس کا عہد مبارک ہے   گھوڑے پر سوار ہو اور فتح کو کہدے کہ ہو جا تو وہ ہو جائیگی

قطعۂ ذیل توریہ کی مثال مین پیش کیا گیا ہے :-

ولیل کأن الشمس ضلت ممرھا   ولیس لھا نحو المشارق مرجع

اور وہ ایسی رات تھی کہ جسمین آفتاب اپنی گذرگاہ بھول گیا، گویا مشرق کی طرف اس کا مرجع ہی نہ تھا یعنی اس رات کی صبح ہی نہ تھی،

نظرت الیہ والظلام کأنہ   علی العین غربان من الجو وقع

مین نے اسکی طرف اور پھر تاریکی کی طرف دیکھا، تو آنکھون کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا کوے فضا سے اتر آئے ہین،

فقلت لقلبی طال لیلی ولیس لی   من الھم منجاۃ وفی الصبر مقنع

تو مین نے اپنے دل سے کہا کہ میری رات دراز ہو گئی اور میرے غم کا کوئی چھٹکارا نہین ہے اور صبر ہی مین نجات ہے

أری ذنب السرحان[3] فی الجو طالعا   فھل ممکن ان الغزالۃ[4] تطلع

مین دیکھتا ہون دم گرگ فضا مین طلوع ہو گیا ہے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ اب ہرن نکلے (آفتاب طلوع ہو)

[1] سوانح مسعود سعد سلمان مرتبہ عبد الوہاب قزوینی و ترجمہ براؤن ص ۹   [2] سبحۃ المرجان ص ۲۷، ۲۸   [3] دم گرگ سے مراد صبح کاذب ہے، [4] عرب لوگ آفتاب کو غزالہ بھی کہتے تھے، مگر غزال کی تانیث غزالہ نہین آتی، بلکہ اس کی بجائے ظبیہ بولتے ہین، (دیکھو شرح لامیۃ للصفدی ج ۲ صفحہ ۱۴۳)

(۲) مسعود کے بعد صرف شیخ سعدی ہی ایسے شاعر ہین، جنکے عربی کلام کا مجموعہ ان کے کلیات مین شامل ہی، سعدی کے عربی قصائد خصوصًا زوالِ بغداد پر ان کا مرثیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، ان کے عربی قصائد کی تعداد ۰ ۲ ہے، گلستان مین بھی جیسا کہ انھون نے خاتمہ مین تصریح کی ہی تمام عربی اشعار انھی کے ہین، ان کے عربی کلام مین جو سلاست، سادگی، بے تکلفی، اور آمد پائی جاتی ہے، وہ انکے کلام کو دوسرے فارسی شعراء سے ممتاز کرتی ہے، ابن معصوم نے سعدی کے دس اشعار نقل کئے ہین[1] جو ایک خاص اندازِ ترنم مین لکھے گئے ہین:-

یا ندیمی قم بلیلٍ   واسقنی واسق الندامٰا

اے ہم نشین رات کو اُٹھ   اور مجھے اور میرے رفیقون کو شراب پلا

خلنی اسھر لیلی   ودعِ الناس نیاما

مجھے رات بھر جاگنے دے   اور لوگون کو سوتا ہوا چھوڑ دے

اسقیانی وھدیر الرعد قد ابکی الغماما

مجھے (شراب) پلا دو اس حالت مین کہ   رعد نے برسات کو رُلا دیا ہے

فی اوانِ کشف الورد   عن الوجہ اللثاما

ایسے وقت مین کہ گلاب نے   اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا دیا ہے،

ایھا المصغی الی الزھّا   دِ دع عنک الکلاما

اے زاہدون کی باتین سننے والے   اپنی باتون کو موقوف کر دے

فزبھا من قبل ان یجعلک الدھر عظاما،

اور (شراب) پلا............قبل اسکے کہ زمانہ تجھے استخوان مین تبدیل کر دے

[1] سلافۃ العصر ص ۴۹۱،

لا عرفت الحُبّ ھیھا   ت ولا ذُقت الغراما

افسوس ہے کہ تونے محبت کو پہچانا ہی نہین، اور نہ لذتِ عشق کو چکھا ،،

قل لمن عیّر اھل الحُبّ فی الحب ولاما

کہدے اس شخص سے جس نے عشاق کو ان کی محبت پر شرم دلائی اور ملامت کی،

لا عرفت الحب ھیھا   ت ولا ذقت الغراما

کہ افسوس تونے محبت کو پہچانا ہی نہین، اور نہ لذتِ عشق کو چکھا،

لا تلمنی فی غلامٍ   اودع القلب سقاما

مجھے اس غلام کے لئے ملامت نہ کر   جس نے میرے دل کو بیمار کر رکھا ہی

فبذا الحبّ کم من   سیّدٍ اضحیٰ غلاما

اسی محبت کے طفیل مین کئی آقا   اپنے غلامون پر قربان ہو گئے.

(۳) اسی طرح فارسی کے نامور شاعر اور فلسفی حکیم عمر خیام نے بھی اپنی فارسی رباعیات کے علاوہ عربی اشعار کہے ہین، اسکے چند اشعار جنمین معری کی جھلک پائی جاتی ہی قفطی نے نقل کئے ہین[1]

اذا رضیت نفسی بمیسور بُلغۃٍ   یحصّلھا بالکدّ کفّی وساعدی

جب کہ میرا نفس تھوڑی سی معاش پر راضی ہو جائے   کہ جسے میرے دست و بازو نے حاصل کیا ہو

أمنتُ تصاریفَ الحوادث کلّھا   فکن یا زمانی مُوعِدی[2] او مواعدی

(اور) مین تمام حوادث سے مامون رہون   تو ای زمانے! تو بھی مساعد اور سازگار بن جانا،

الیس قضی الافلاک فی دورھا ان   تُعیدَ الی نحسٍ جمیع المساعدی

کیا گردشِ افلاک نے ایسا نہین کر دیا   کہ تمام نیک شگونیان بد شگونیان بن جائین

[1] تاریخ الحکما، طبع یورپ ص ۲۴۴، [2] معارف:- مُوعِدی   دھمکانے والا،

فیا نفس صبراً فی مقیلک انما تحوز رداہ بانقضاض القواعد

پس ای نفس تو اپنی آرامگاہ مین صبر کر کہ بنیادون کے اکھڑتے ہی اسکی بلندیان بھی گرپڑینگی،

اس قطعہ کے بقیہ اشعار مع دیگر چند شعرون کے شہرزوری نے اپنی تاریخ الحکما مین نقل کئے ہین[1]،

(۴) خواجہ امیر خسرو (رحمۃ اللہ علیہ) نے چند عربی اشعار غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھے ہین، جن سے زبان پر ان کی قدرت ظاہر ہوتی ہے،:-

ذاب الفواد وسال من عینی الدم وحکی الدموع کل ما انا اکتم

دل پگھل گیا، اور آنکھون سے خون بہہ گیا اور آنسوؤن نے وہ سب کہدیا جسے مین چھپاتا تھا،

واذا بحثت لدی الوری کرب النوی تبکی الاحبۃ والاعادی ترحم

جب مین لوگون کے سامنے فراق کی تکلیف بیان کرتا ہون، تو دوست روتے ہین اور دشمنون کو میرے حال پر رحم آتا ہے،

یا عاذل العشاق دعنی باکیا ان السکوت علی المحب محرم

او عاشقون کے ملامت گر تو مجھے رونے دے، کہ چپ رہنا عاشق پر حرام ہے،

من بات مثلی فھو یدری لیلتی طول اللیالی کیف بات متیم

جو شخص میری طرح رات گذارے، وہ البتہ جان سکتا ہے کہ عاشقون کی رات کس طرح کٹتی ہے[2]،

(۵) خواجہ حافظ شیرازی نے متعدد عربی اشعار لکھے ہین، جو ان کے موجودہ دیوان مین پائے جاتے ہین، ہم نے خواجہ کے عربی کلام پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے، جو رسالہ تسنیم (آگرہ) بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۱ء مین شائع ہو چکا ہے،

(۶) مولانا جامی، جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ "ز جامی سخن را تمامی رسید"، عربی کے جید عالم اور نامور مصنف تھے، اور عربی ادب پر بھی کافی عبور رکھتے تھے، ان کے فارسی کلام مین بعض عربی

۱؎ دیکھو شعر العجم ج ا ص ۲۴۳، ۳۳۵، شعر العجم ج ۲ ص ۱۹۱، معارف: چوتھے شعر کا پہلا مصرع صحیح یون ہے،
من بات مثلی فھو یدری حالتی

اشعار بھی پائے جاتے ہین،:-

ان کے کلیات مین متعدد اشعار صنعت تلمیع مین پائے جاتے ہین جنمین فارسی کے ساتھ عربی مصرعون کا پیوند لگایا گیا ہے، لیکن خالص عربی اشعار شاذونادر نظر آتے ہین، آذر اصفہانی نے ذیل کے دو شعر نقل کئے ہین[1]،:-

سلام اللہ ما ناحت حمامہ لفقد الألف اوحادت خمامہ

علی اکناف وادٍ حلّ فیھا سُعادُ بالسعادۃ والسلامہ

عربی شاعری پر عجمی اثرات کا نتیجہ

اکثر ناقدین کا خیال ہے کہ اہل عجم نے عربی شاعری مین فطری سادگی اور بے ساختگی کے بجائے تصنّع اور تکلّف پیدا کر دیا، اور اس لئے عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، کہ عربی شاعری مین پرشکوہ اور شاندار الفاظ، بلند آہنگی، صنائع وبدائع کا استعمال، جس کا بہترین نمونہ متنبی کا کلام ہے، اور جو مابعد کے اسلامی شعراء کا مخصوص وصف ہے، سب سے پہلے ان عجمیون نے داخل کیا جو بغداد مین دربار خلافت کے متوسل تھے، لیکن عربی شاعری کا یہ طرز و اسلوب عجمی الاصل نہین ہے، کیونکہ بعض عجمی النسل قدیم شعرائے عربی بشار بن برد اور ابو نواس کے کلام مین اس کا کہین نشان نہین ملتا، دراصل ایرانیون نے عربی شاعری کو جن باتون سے روشناس کرایا، وہ پرشکوہ طرز نہین ہے، بلکہ وہ سلاست و روانی، حسن تخییل، صفائی بیان عمق جذبات اور نفاست خیال ہین[2]،

۱؎ آتشکدہ ص ۲ طبع بمبئی ۲؎ تاریخ ادب العرب از نکلسن صفحہ ۲۹،

عجائب خانہ حیدرآباد کا ایک نایاب دکھنی مخطوطہ

یعنی

نورس مصنفہ ابراہیم عادل شاہ ثانی،

از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات"

یورپ کو چھوڑ کر اب تو ہندوستان مین بھی اکثر بڑے بڑے شہرون مین عجائب خانے موجود ہین، مگر حیدرآباد مین اسکی کمی تھی، اعلیحضرت سلطان العلوم کی خسروانہ توجہ اور شاہانہ سرپرستی سے گذشتہ سال یہان بھی عجائب خانہ کا افتتاح ہو گیا، افتتاح کی رسم اعلیحضرت معظم نے خاص اپنے دست مبارک سے ادا فرمائی،

یہ عجائب خانہ مولوی غلام یزدانی صاحب یم اے ناظم آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہے، اور صاحب موصوف ہی کی کوششون سے اس کا قیام عمل مین آیا ہی، گو اس مین اسکی ابتدائی حالت ہے، مگر پھر بھی کتبات، قدیم اسلحہ، بیدری سامان، اور مرقعہ جات وغیرہ کا اچھا ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے، خطاطی کے بعض نایاب نمونے بھی ہین، اور کلام اللہ کے چند نسخے اور دیگر مخطوطات بھی محفوظ ہین جنمین دو اردو مخطوطے بھی ہین جنمین سے ایک دکھنی ہے، جو اس وقت زیر بحث ہے، اور دوسرا مخطوطہ میر حسن کی مثنوی بدر منیر ہے جسمین تصاویر بھی ہین،

زیر بحث مخطوطہ "نورس" کا مصنف ابراہیم عادل شاہ ثانی المخاطب بہ جگت گرو ہے، جو بیجاپور کا چھٹا حکمران تھا اپنے چچا علی عادل شاہ اول کے مارے جانے پر ۹۸۸ھ مین مسند حکومت پر جلوہ گر ہوا، اور طویل و کامیاب حکمرانی کے بعد ۱۰۳۷ھ مین انتقال کیا،

اس کی حکمرانی کا دور علم و ہنر کی ترقی کے لحاظ سے نمایان حیثیت رکھتا ہی، اس نے علم کی ترویج مین جو کوششین کی ہین، وہ تاریخ دکن مین ہمیشہ تابان اور درخشان رہین گی، علمی ترقی کے لحاظ سے ہندوستان کے مسلمان بادشاہون مین اس کا خاص درجہ ہے، بیجاپور کے تمام مورخ اس کے علم و فضل اور علم پروری کے معترف اور مداح ہین، جس کی تفصیل ہماری تالیف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" مین کی گئی ہی، (ص ۱۹۹ تا ۲۰۵)

اس کی سرپرستی مین کئی بہترین تصنیفین ہوئین جنمین سے بعض یہ ہین، ابو القاسم فرشتہ نے اپنی مشہور و معروف تاریخ گلزار ابراہیم الموسوم تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ مین تالیف کی، ملا ملک قمی نے مخزن اسرار نظامی کا جواب لکھا، عبد الرشید التتگی نے علاء الدین محمد بن ذکریا قزوینی کی مشہور کتاب عجائب المخلوقات کا فارسی مین ترجمہ کیا، نور الدین ظہوری نے اپنی مشہور تصنیفات لکھین، رفیع الدین شیرازی نے روضۃ الصفا کا خلاصہ کیا،

ابراہیم کو شاعری کا بڑا شوق تھا، خود بھی زبردست شاعر تھا، ابراہیم تخلص کرتا تھا، فارسی اور دکھنی کے نامور شعرا اس کے زمانہ مین موجود تھے، جو نہ صرف اپنے عہد مین بلکہ اپنی تصنیفات کی بدولت آج تک مشہور ہین، ان مین سے بعض یہ ہین، ظہوری، ملک قمی، حکیم آتشی، مرزا محمد مقیم مقیمی، ملا شکیبی، دولت شاہ، عبد القادر نورسی، نورس آدم امین وغیرہ،

سلطان نے دکھنی زبان کی خصوصیت سے سرپرستی فرمائی شاہی دفتر کی زبان جو علی عادل شاہ کے زمانے مین فارسی کر دی گئی تھی، پھر سے دکھنی ہو گئی، شعرائے دکھنی گو کا عروج ہوا، چنانچہ سلطان کے اسی شغف کا ایک کارنامہ کتاب نورس ہے، اس کو خوشنویسی کا بھی بڑا شوق تھا، خلیل خان تمام خوشنویسون مین ممتاز تھا، اس کو موسیقی مین اور خاص کر سرود ہندی مین بڑی مہارت تھی، اوس وقت کے تمام باکمال گویے بیجاپور مین جمع تھے، اوس کی اسی مہارت اور کمال کا ایک زندہ ثبوت زیر بحث مخطوطہ ہے،

سلطان کو لفظ "نورس" سے بڑی محبت تھی، ۱۰۰۸ھ مین ایک قلعہ بنام "نورس" تیار ہوا، ۱۰۱۳ھ مین ایک

شہر آباد کرکے اس کا نام نورس پور رکھا گیا، شاہی مہر پر نورس کندہ تھا، سکہ پر نورس مضروب تھا، سالانہ ایک جشن اسی نام سے ہونے لگا، درباری شاعر عبد القادر کو نورسی کا خطاب دیا گیا، اسی طرح بادشاہ نے اپنی تصنیف کا نام بھی "نورس" رکھا،

یہ کتاب اس نے ہندی راگ اور راگنیوں پر لکھی تھی، افسوس ہے اس کی تصنیف کا صحیح سنہ معلوم نہیں ہو سکا مگر اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اسکی تصنیف ۹۹۰ھ اور ۱۰۱۵ھ کے درمیان ہوئی ہے، بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے، یہ ۱۰۱۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے،

اس وقت تک اردو علم ادب کی تاریخ میں جو نئی کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان میں سے گل رعنا، مولٰینا حکیم عبد الحئی، تاریخ ادب مترجمہ مرزا عسکری، اردوئے قدیم، اور اردو شہ پارے وغیرہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور ان میں بتایا گیا ہے کہ خود ابراہیم نے دہر پد (علم موسیقی) میں ایک کتاب ملکی زبان میں نورس نام تصنیف کی، اور ظہوری نے اس کا دیباچہ فارسی میں لکھا، جو سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے، (گل رعنا ص ۲۳ تاریخ ادب ص ۷۵ اور اردو شہ پارے ص ۲۴، ۲۵ وغیرہ)

لیکن چونکہ ان میں سے کسی نے بھی اصل کتاب نہیں دیکھی تھی، اس لئے نفس کتاب کے متعلق ان میں زیادہ وضاحت موجود نہیں، اور بعضوں نے تو کتاب کا نام بھی غلط لکھا ہے، اسی طرح ابھی حال میں بعض مضامین[1] اس پر شائع ہوئے ہیں، لیکن وہ بھی زیادہ تر اردوئے قدیم سے ماخوذ ہیں، اب اس کے تین نسخوں کا پتہ چلا ہے، جو حسب ذیل ہیں:-

(الف) عجائب خانہ حیدر آباد دکن،

(ب) کتب خانہ جناب نواب سالار جنگ بہادر،

(ج) مملوکہ مولوی سید خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی و مال و ملکی وغیرہ،

[1] رسالہ عالمگیر کا سالنامہ ۱۹۳۲ء نوشتہ سید احمد اللہ قادری،

ان میں سے پہلا اور آخری نسخہ ہماری نظر سے گذرا ہے، سردست پہلے نسخہ کا تعارف ناظرین سے کرایا جاتا ہے،

عجائب خانہ کا یہ نسخہ نسخ میں لکھا ہوا ہے، اعراب بھی ہیں، پ اور چ کے سوا گ اور ڈ کے لئے بھی نیچے تین نقطے دئے گئے ہیں، اس کا کاتب عصمت اللہ ہے، افسوس سنہ کتابت درج نہیں ہے، اوراق کی تعداد (۳۰) ہے، ہر صفحہ میں چھ سطریں ہیں، جنمیں سے تین سطریں جلی اور تین خفی لکھی گئی ہیں، جدول مطلا ہے، یہ نسخہ بظاہر مکمل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ بسم اللہ اور خاتمہ کی عبارت موجود ہے، مگر مولوی سید خورشید علی صاحب کے مملوکہ نسخہ سے مقابلہ پر معلوم ہوتا ہے، اسمیں تقریباً (۵۰) شعر کم ہیں،

اس عجائب خانہ کے نسخہ کا پہلا صفحہ سبز رنگ کا سیاہی مائل کاغذ کا ہے، اس صفحہ پر جو عبارتیں درج ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) "کتاب نورس بخط شکوہ ...... (؟) قلمی بجلد سیاہ جمع کتاب خانہ معمور ...... (؟)"

(۲) "درین تصنیف راگ شانزدہ دوہرہ دہ گیت چہار .... (؟)"

(۳) "تصنیف ابراہیم عادل شاہ، مالک این کتاب لودھی خان"

اسی طرح نظم کے خاتمہ پر دو سطروں کی عبارت درج ہے، جو اگرچہ صاف معلوم نہیں ہوتی، تاہم جو واضح ہے وہ حسب ذیل ہے:-

"حضرت ..... جہان پناہ خلد اللہ ملکہ عجالہ باتکمال رسید سید الفقیر عصمت اللہ"

ابتدا حسب ذیل عنوان اور شعر سے ہوئی ہے:-

انچلی در مقام کوری

ستید محمد میرے دل پر نانو جیون رسول کر لکھے عرش تہانو

خاتمہ ذیل کے شعر پر ہوا ہے،

رام گیری راگنی کستوری سیا سو کیس کیسی دھملا

اس کے برخلاف مولوی سید خورشید علی صاحب کے نسخہ مین ابتدا اور خاتمہ کے اشعار بالکل جداگانہ ہین،

لفظ نورس کئی ایک مقام پر لایا گیا ہی، مثلاً:۔

بن بیچ بھتا دی نورس کا آتی بھر بھر دار و پیالا پیلا نی (صـ۱۹)

بادل وباے بجلیا بجاوے ؛ باجی خالو آشتا بی انی یادی

سہلا نورس کلیان بدھاوے ابراہیم گر گنی گاوے ..؛ (صـ۱)

نورس کا دگیت گنجن گن گنج بتی جم جم جیو آتش خان سدا (صـ۱۲ ب)

ایک کروندی داوز دوجی پابی پتنگ پیک نورس کا وت اتیتی (صـ۱۳ الف)

ابراہیم پایا اتم ملنساری نورس (صـ۱۹ ب)

کئی جگہ سید محمد کا نام آیا ہے، جس سے سید محمد گیسو دراز مراد ہین، اگرچہ عجائب خانہ کے نسخہ مین صرف سید محمد ہی درج ہی، مگر مولوی سید خورشید علی صاحب کے نسخہ سے اسکی تصریح ہوتی ہی، جسمین لفظ گیسو دراز مذکور ہی،

حضرت محمد چگتر کر گستا ئین تو در گد چمک میر دمن ساز (صـ۱۰۳ الف)

ابراہیم چاہے اتم بدیا دان دھرم سید محمد کر دھائی کریم کرن نا (صـ۱۳ ب)

میرا نیر سکندر ہوا دھو دندی، سید محمد ابراہیم کون دکھا نگری (صـ۱۲۴ الف)

ایک جگہ چاند بی بی کا ذکر آیا ہے،:۔

سب سندری دیکھیا یون چمن ہی کہان جات چاند سلطان نانوپی ابی ملکے جہان (صـ۱۵)

چاند سلطان (چاند بی بی) ابراہیم کی چچی تھی، ابراہیم اس شعر مین اسکے حسن کی تعریف کرتا ہی، جو موجودہ مشرقی تہذیب مین معیوب خیال کیا جاتا ہی،

بعض دیگر مقامات سے نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہی:۔

کمت وسی جیو جنم دمدینا کبھی غلیف دھر موتیون خونا

جیون دیپک مین وسی مدنا لگ نگینا مشک عبیر بھچائی انکھنا

سیوی روبز چل ذوالقعد انینا

ابھوک

پوت نبی کا پر مردانا ؛ جس ٹیک برس ہوے زینا

ابراہیم خان پر سون ہوانسا جیون توازش سب بخشے گنا

ابھوک

دھنی یوانار جیو ملکی جہازی سندر سمدر سنگات کرتار کنازی

ابراہیم اکتین چتل سندر نتر و نتادری

بین

ایک ہست رند نرا زسون جگل کرا واہن بلیور دست جات گسائین پشورا

گاس گرت گنجرا برشتہ چرمرد کربا

امید ہے کہ اس وضاحت سے اس مخطوطہ کا ایک خاکہ ذہن نشین ہو جائیگا،

نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کا نسخہ خاص بیجاپور کے شاہی کتب خانہ کا ہی جسکے کاتب عبد الرشید ہی،

لیکن مولوی سید خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی و مال کا نسخہ اس سے زیادہ اہم ہی کیونکہ یہ نہ صرف بیجاپور کے شاہی کتب خانہ کا نسخہ ہے، بلکہ خاص ابراہیم کیلئے لکھا گیا ہی جس پر اس کی مہر کے علاوہ دستخط بھی موجود ہین، اور کتب خانہ مین داخل ہونے کی یادداشت بھی درج ہی،

حضرت صوفی منیری

سنہ ۱۲۵۳ – ۱۳۱۸

از جناب محمد عثمان صاحب ابدالی اسلام پوری خانقاہ اسلام پور

"رسالہ معارف کے کسی گذشتہ نمبر میں حضرت شاہ فرزند علی صاحب صوفی منیری کے نام غالب کا ایک خط شائع ہوا تھا، اسی سلسلہ میں صوفی صاحب کے حالات دو تین سطروں میں بطور تعارف لکھے گئے تھے، موصوف کے نواسے جناب شاہ عطاء الرحمن صاحب نے اون کے ذیل کے حالات قلمبند کراکے بھیجے ہیں، جو بطور یادگار سلف شائع کئے جاتے ہیں"

سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر

نام و نسب حضرت ابو محمد جلیل الدین عرف شاہ فرزند علی صوفی رحمۃ اللہ علیہ منیر شریف ضلع پٹنہ کے ایک باکمال شاعر تھے، ۷ شوال ۱۲۵۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، اور ۸ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ کو آپنے اسلام پور میں انتقال کیا، آپ کے والد کا نام شاہ محمد علی ہے، حضرت سید علیم الدین دانشمند نیشاپوری آپکے جد اعلےٰ ہیں اور نانہالی رشتہ نسب بواسطہ مخدوم شاہ خلیل الدین (برادر مخدوم شاہ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری قدس سرہ) حضرت امام تاج فقیہ فاتح منیر شریف سے ملتا ہے، بزرگوں کا وطن بہار شریف محلہ دیپ سرائے تھا، یہ محلہ ولیۂ باکمال حضرت بی بی ابدال بنت مخدوم بدر عالم زاہدی رحمۃ اللہ علیہما کے نامی کے سبب مشہور نام ہے، اور حضرت بدر عالم زاہدی کی درگاہ بہار شریف میں "چھوٹی درگاہ" کے نام سے معروف ہے، آپ کو چونکہ بی بی ابدال صاحبہ سے نسبی تعلق ہے، اسی وجہ سے یہ خاندان ابدالی کہا جاتا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد یہ خاندان موضع شرف آباد یا تھو (جو موضع پن پن کے قریب ہے) آ بسا، اور آخر میں وہان سے بھی ہجرت کی، اور حضرت صوفی اپنے برادر اکبر و پیر و مرشد شاہ اولاد علی فردوسی زاہدی کے ساتھ اپنی نانہال منیر شریف میں آکر آباد ہوگئے،

اور موصوف کی شادی اسلام پور ضلع پٹنہ میں حضرت شاہ ولایت علی قدس سرہٗ کی صاحبزادی سے ہوئی،

تعلیم و اخلاق حضرت نے ابتدائی درسی کتابیں کمسنی میں پڑھی تھین، اور پھر بذریعہ مطالعہ و کتب بینی فارسی کی اچھی خاصی استعداد حاصل کرلی عربی بھی بقدر ضرورت مولوی حسام الدین حید، صاحب اور مولوی فیض اللہ صاحب پشاوری سے یہین اسلام پور مین پڑھی کتب بینی کے نہایت شائق تھے، بزرگون خصوصاً حضرت مخدوم رحؒ اور ان کے سلسلہ کی تصانیف کے مطالعہ اور کتابت کا مشغلہ تمام عمر رہا، خط بھی پختہ، اور خوبصورت تھا، ظرافت اور خوشدلی کو بھی آپکے مزاج مین بے حد دخل تھا، فن تصوف مین نہایت اچھی دستگاہ تھی، بلکہ اپنے معاصرین مین سربلند تھے، لیکن شہرت سے ہمیشہ گریزان تھے، اسی لئے مجالس و مجامع سے دور دور رہتے، حضرت مخدومؒ کی محبت عشق کی حد تک پہنچ گئی تھی، ذکر و اشغال کا بھی شغل ہمیشہ جاری رہا،

تلمذ ادب کا فطری ذوق تھا، اردو فارسی کے نغز گو اور بلند پایہ شاعر تھے، نظم و نثر فارسی و اردو دونون مین مہارت حاصل تھی، فارسی اور اردو نثر و نظم مین متعدد کتابین یادگار ہین، حضرت غالب مرحوم سے تلمذ تھا، اصلاح کلام کے لئے حضرت غالب پر نظر انتخاب دلی کے تعلق سے پڑی کردتی موصوف کے فیوض باطنہ کا اصل سرچشمہ تھی، اس لئے کمالِ ظاہری کے اکتساب کا انتساب بھی یہین سے قائم ہو، چنانچہ اصلاح کیلئے کلام ارسال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہین:۔

"چون فیض باطن درین خاندان از ہمان بقعۂ متبرکہ دہلی اعنی از حضرت خواجہ خواجگان عرش آستان حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی قدس سرہ مبذول شدہ نخواستم بجُز آنکہ دریگیر محکم گیر" باستانۂ دیگر جبہہ سایم، ہر چہ از ظاہر و باطن بمن رسد از ہمان جوار و دیار باشد"

تصانیف فارسی اور اردو دونون زبانون مین آپ کی تصانیف موجود ہین بعض طبع ہو چکی ہین اور بعض ہنوز زاویۂ گمنامی مین پڑی ہین، ان کی فہرست درج ذیل ہین،

کتب مطبوعہ (۱) راحت روح (اردو) علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہین "راحت روح، اہل عرفان

مقفی و مسجع و رنگین اردو عبارت مین بطور افسانہ تصوف پر ایک بہترین تصنیف اُن سے (حضرت شاہ فرزند علی رح صوفی سے) یادگار ہے، (معارف ماہ نومبر ۱۹۳۰ء) (۲) عروۃ الوثقی (اردو) عقائد اسلام کے بیان مین ایک اچھی منظوم کتاب ہی، (۳) وسیلۂ شرف اردو، حضرت مخدوم رح کے حالات مین ہی، (۴) ذریعۂ دولت (اردو) بزرگان سلسلہ کے تذکرہ مین ہی، یہ دونون مقبول کتابین ہین، (۵) اصول تکسیر فارسی، اصول تعویذات مین (۶) سرود مستان (فارسی) ایک افسانہ ہی،

کتب غیر مطبوعہ (۷) مصطلحات المتصوفین (فارسی) ضخیم ہے، موضوع نام سے ظاہر ہے، (۸) خمخانہ (فارسی) (۹) خطارات اردو، یہ رسالہ ایک ارادت مند کے بعض شکوک کے جواب مین لکھا گیا، جو تشیع کی طرف مائل تھا، (۱۰) نتیجہ بالخیر (اردو) حضرت سعدی اور بعض دیگر شعرا کے نتیجہ خیز مطائبات کی طرح اردو منظوم حکایات کا مجموعہ ہے، (۱۱) کشش عشق (۱۲) روش عشق (۱۳) لوا الحمد، یہ تینون اردو کی مثنویان ہین، آخر الذکر حلیۂ نبوی مین ہی، (۱۴) فارسی اور اردو کا ضخیم دیوان،

نمونۂ نثر اردو ذیل مین راحت روح کی دو چار سطرین بطور نمونہ آغاز کتاب سے لکھی جاتی ہین:-

"مضمون کا وجود ضمیر منیر مین اعتباری ہے، عبارت قوت طبع متکلم کی نموداری ہے، جب قلم لوح پر چلتا ہی، مدعا نقش کے پیرایہ مین نکلتا ہے، خوبی خط خوشنویس کی صفت ہی، ہستی آئینۂ معرفت ہے

... ...

قلم تابع انامل ہی، انامل مطیع دل، دل زیر فرمان جان ہی، اور جان محکوم امر فرمانروائے کن فکان، کیسا فرمانروا، کہ تکوین اس کی ایک بات ہی، کُن فرمایا اور ہوگئی، اوسکے آگے کون سی کائنات ہی، لمن الملک کا دعویٰ اسی کو زیبا ہی، کہ سلطنت اوسکی شرکت اور احتیاج کر مبرا ہی"،

درمیان کتاب کی دو چار سطرین یہ ہین:-

"فضا ایسی دلکش کہ تمام عمر اوس گلزار کی سیر ہو، گھر آنے کو جی نہ چاہے، اس راہ سے ٹھیکا رہے، سرتاسر لالۂ نافرمان

پھولے، جن کے رنگ پر عاشق، گل عارض معشوق کی بہار بھولے، لالۂ نافرمان نہ تھے بلکہ نافرمانی کے لالے تھے، گلچین دہان کے داغ اٹھانے والے تھے، یہ لوگ تو باغ ہستی کے رنگ و بو کی طرف مائل تھے، نیرنگ تقدیر کے نئے رنگ سے غافل تھے، دفعۃً ہوائے نفسانی کی آندھی اس زور سے اٹھی کہ قوم عاد کا جھونکا اس کے آگے دم سرد تھا، اور گنبد آسمان دماغ کو کدورت دل کے غبار نے ایسا اندھا دھند کر دیا کہ شیشۂ ساعت گرد تھا، ظلمت کی گھٹا بڑھ کر چار طرف چھا گئی، زمانے کے چہرے پر تیرگی آگئی، بیتابی کی برق استقلال کا لطف کھونے لگی، بارش ہوس مین وسوسون کی بوچھار ہونے لگی،" (ص ۵۹)

شاعری حضرت صوفی کی شاعری کے متعلق ان کے نمونۂ کلام سے اہل ذوق خود فیصلہ کرلین گے، البتہ حضرت غالب مرحوم نے اپنے گرامی نامہ مین انکے کلام پر جو رائے دی ہی، وہ یہان درج کیجاتی ہے، لکھتے ہین:-

"حکم بجا لایا، دو ایک جگہ املا کی صورت بدل گئی، کہین مصرع کی جگہ مصرع لکھا گیا ہے، غالب تخلص و تملق آپ کا کلام معجز نظام ہے، الفاظ عمدہ، ترکیب اچھی، معنی بلند،" (معارف نومبر ۱۹۳۰ء)

حضرت صوفی فارسی اور اردو دونون مین شاعری کرتے تھے، فارسی کی ایک غزل نمونہ کے لئے درج ذیل ہے،

خوش سفر و مقام ما در رہِ آرزوئے تو	رفتنِ ما بسوئے تو ماندنِ ما بجوئے تو
رُخ بحرم کجا نہیم، تن بہ سفر چرا دہیم	قبلۂ ماست روئے تو کعبۂ ماست کوئے تو
خرقہ بگیر و مے بدہ، گرچہ گران تراست مے	پیرِ مغان! ہمی برم بر سرِ خود سبوئے تو
دست بعشق دادہ ام رابطہ است رہبرم	سلسلۂ ارادتم کاکلِ مشکبوئے تو
ہر طرفے کہ بگزری عطر فشان شود ہوا	نکہتِ مشکبوئے تو، رہبرِ ما بسوئے تو
ادب درون و تو درون میطلبی زراہ گفت	تو بہ زگفتگوئے تو آہ ز جستجوئے تو

نفس خروج کرد، است لب بکشائے صوفیا

می کندش دلیر و سخت نعرۂ ہائے وہوئے تو

اردو شاعری کے مختلف اصناف سخن مین طبع آزمائی فرماتے، دیوان مین زیادہ مجموعہ غزلون کا ہے، فہرست تصنیفات سے معلوم ہوچکا ہے، چند مثنویان بھی ہین، اسی طرح اس زمانہ مین تاریخ گوئی کا مذاق بزرگون مین عام تھا،

حضرت صوفی نے بھی تاریخین بہت کہی ہین، اور اکثر مین استادانہ کمال دکھایا ہی، چنانچہ اپنے مامون شاہ اعظم علی عرف شاہ بیکن منیری علیہ الرحمہ کی وفات کی تاریخ لکھی ہے، صرف ۵ شعر کا قطعہ ہی، اور کمال یہ ہی کہ ۳۰ طریقون سے مطلوبہ تاریخ نکلتی ہے، اسکی ندرت و جدت متقضی تھی کہ اسے بھی نظر فروز ناظرین کیا جائے لیکن بخوف طوالت اسکو ترک کیا جاتا ہی، چند غزلون کا عام نمونہ یہ ہی،

کوچۂ یار اپنا مسکن ہے ؛ ہم جو بلبل ہین تو یہ گلشن ہے

ہے گریبان کا حلقہ دست جنون نہ گریبان ہے نہ دامن ہے

خلش خار غم سے صورت گل چاک چاک اپنے دل کا دامن ہے

حال سوز و گداز کا میرے تجھ پہ اے رشک شمع روشن ہے

جوش گلہائے داغ ہجران سے ساحت سینہ، رشک گلشن ہے

یوسفستان ہوا ہے خانہ، دل اس مین تو جب سے جلوہ افگن ہے

ہے یہ روضہ منیر کا فردوس

صوفی اب ھکو نکر مردن ہے

حاصل ہے میرے رشک کامران کہین جسے سایہ ہے میرا وہ شب ہجران کہین جسے

ہے عکس وہ مرا جسے کہتے ہین لوگ قیس میرا ہے جلوہ گاہ بیابان کہین جسے

غش آپ کو نہ آئے تو لاؤن حضور مین وہ آئینہ کہ دیدۂ حیران کہین جسے

مجکو، کہ مدتون پہ تفس سے رہا ہوا صبح وطن ہے شام غریبان کہین جسے

خوش ہون جنون سر مین کہ وہ کرتے ہین التفات ہے صبح عید چاک گریبان کہین جسے

سعی طلب مین سرمہ کرون چشم شوق کا وہ اک کف غبار بیابان کہین جسے

اے رشک مہر جلوہ ترا ہے نگاہ سوز پردہ ترا ہے عارض تابان کہین جسے

وہ غم سرشت ہون کہ ہی عشرتکدہ مرا اس سے پرے کہ روضۂ رضوان کہین جسے

صوفی بتائے منزل جانان کی راہ کون

اب چپ ہے وہ جرس دل نالان کہین جسے

اسی طرح مثنوی کے عام اندازہ کے لئے مثنوی "لوا، الحمد" سے جستہ جستہ حمد کے اشعار درج ذیل ہین:-

کنہ ذات اس کی بشر کیا سمجھے نکتہ رس لاکھ ہو پر کیا سمجھے

عجز کے جیب مین جب ڈال کے سر مَا عَرَفْنَاکَ کہین پیغمبر

راہ اس کوچے کی ناپیدا ہے پیک ادراک کا چلتا کیا ہے

اس ہوا مین جو اڑے خود کھو جائے مرغ فکر اڑتے ہی عنقا ہو جائے

کیا کرے اوسکی کوئی حمد و ثنا غیر سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا

نعت لکھتے ہین:-

فخر عالم گہر تاج رسل خواجہ کون و مکان مرجع کل

قرۂ باصرۂ عین حضور اولین موجہ دریائے ظہور

نور حق، جلوۂ رب، شان الٰہ ہے تو بندہ، مگر اللہ اللہ!! [1]

[1] یہ وہ شعر ہے جسپر حضرت غالب ؔ وجد کر کے اپنی پسند کا اظہار کیا ہی،

معراج کے بیان مین فرماتے ہین :-

شب معراج فلک سے گذرا | سرحد ملکِ ملک سے گذرا
جلوۂ شاہد و بجو دیکھا | بے حجاب رُخ و گیسو دیکھا
کئے بے واسطہ خالق سے کلام | کیسا جبریل؟ کہان کا پیغام
درمیان پردۂ آوازہ تھا | نغمے دل کش تھے مگر سازنہ تھا
طے ہوئی راہ بیک دم اس کی | آمد و رفت تھی توأم اس کی

تلامذہ — شاعری مین آپ کے چند تلامذہ ممتاز ہین اور قابلِ ذکر ہین، اون مین سے ایک حکیم شاہ احتشام الدین حیدر مشرقی منیری مرحوم آپ کے برادر خالہ زاد شاہ خلیل الدین احمد جوشؔ[1] کے فرزند تھے، ۱۲۸۲ھ مین پیدا ہوئے، فارسی اور اردو دونون زبانون کے پرگو اور کہنہ مشق شاعر تھے، بانکی پور پٹنہ کے مشہور ظریف اخبار "الپنچ" مین مضامین لکھتے تھے، پہلے صافی تخلص کرتے تھے، پھر مشرقی تخلص کرنے لگے، ۱۰ ر شوال ۱۳۴۳ھ کو انتقال ہوا، نمونۂ کلام یہ ہے،

ہر سانس تری اے دل حسرت سے بھری کیون ہے | خشکی ہے لبون پر کیون آنکھون میں تری کیون ہے
کس آئنۂ طلعت نے صورت تجھے دکھلائی | ہر کس لئے یہ حیرت، یہ بے خبری کیون ہے
پہلو مین نہین بیٹھا گر تیرِ نظر کوئی | آنکھون سے ٹپکتا پھر خونِ جگری کیون ہے
یہ مان لیا مین نے ہان تجھکو نہین سودا | ہے نالۂ شب کیا آہِ سحری کیون ہے
جب دستِ جنون میرا غمخوار سلامت ہو | پھر میرے گریبان مین یہ بخیہ گری کیون ہے

اے مشرقیِ رسوا کی تو نے اگر توبہ
دامن پہ ترے اچھا پھر مے کی تری کیون ہے

[1] دیکھو جوشؔ کا تذکرہ خمخانۂ جاوید جلد دوم ص ۲۸۶،۲۸۵

ان کے علاوہ جناب شاہ اکرام الدین احمد صاحب عرفان رئیس اسلام پور ضلع پٹنہ بھی موصوف کے تلامذہ مین ہین جنکی عربی کی تعلیم تقریبًا تکمیل کو پہنچ گئی ہے، اور فارسی مین خاصی مہارت ہے، اور فارسی اور اردو دونون زبانون مین شاعری کرتے ہین، نمونۂ کلام یہ ہے،

ذرا جذبِ دلِ نخچیر دیکھو | نہین کھنچتا تمھارا تیر دیکھو،
یہان تدبیر مین مصروف ہین ہم | وہان ہے خندہ زن تقدیر دیکھو

کئے جاتا ہے عرفان جرم پر جرم
تم اوس کی لذتِ تعزیر دیکھو

اسی طرح مولانا حکیم شاہ محمد عمر مرحوم عاؔمر اسلام پوری خلف اوسط حضرت صوفی رحمہ بھی اپنے والد بزرگوار سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے، سال ولادت ۱۲۹۰ھ اور سال وفات ۱۳۳۶ھ ہی،

صہبائے دانش

از مولوی سید ابو القاسم صاحب آنرز سررشتہ تالیف و ترجمہ حیدر آباد،

(بہ سلسلۂ ماسبق)

صنّاع ایک عامی سے نہایت دقیق نہایت عمیق نہایت گہری نظر رکھتا ہی، وہ تنہا کسی نصب العین کا تعقل ہی نہین کرتا، بلکہ جون کا تون اس کا اعادہ کرنے کا بھی خوگر ہی، صنّاعی جع بعینہٖ حسی مظاہر کے اعادہ کا نقشہ کھینچدیتی ہی، کیا یہ محض تقلید ہی کا نام ہے؟ اس کا مطلوب، مقصد، غایت بھی کوئی ہو کہ نہین، صنّاعی کی تعلیم کو کیا اسی صنّاعی کی صرف خاطر سے عمل کرنے کی ضرورت ہی، اخلاق سے اس کا کس قسم کا تعلق ہی، صنّاعی مین اخلاقی مطابقت کی ضرورت ہی، یا اخلاق سے اسے کوئی تعلق و واسطہ نہین، یہی وہ مقام ہی جہان سے ماہرین فن اور ارباب تحقیق کے نظرئے جداگانہ راہین اختیار کرتے ہین، اس بحث نے حقیقت یا فطریت اور تصوریت کے نظریات پیدا کر دئے، بعض نے کہا کہ فطرت کی بعینہٖ شبیہ کشی یا فطرت سے مماثلت و تشابہ پیدا کرنا حقیقۃً صنّاعی کی غرض و غایت یہی ہی، بعض اس طرف گئے کہ فطرت کی ہو بہو نقل

ساتعہ اور باصرہ کے ساز مین دو تار ہین ۔۔۔ جنکی جنبش مین نہفتہ ہو مسرت کی صدا
حسن کی تصویر کے دو رُخ ہین دونون دلفریب ۔۔۔ باصرہ ہے ایک ان مین سامعہ ہے دوسرا
عشوہ سامان صورتین ہین باصرہ سے ہمکنار ۔۔۔ سامعہ مین قہرہائے روح کا ہے جمگھٹا
دُور تک میلا گلابی باصرہ کے گھاٹ پر ۔۔۔ سامعہ مین نور کی تانین ترنم زا گلا
عشوہ و ناز و کرشمہ کے خدنگ دلشکار ۔۔۔ باصرہ کے گھر مین بنتے ہین یہ پیکانِ قضا
سامعہ کے باغ مین اٹھکیلیان کرتی ہوئی ۔۔۔ ہر روش پر پھرتی ہے نطق و تکلم کی صبا
دلربا رنگین تصویرین بصر کے ساتھ ساتھ ۔۔۔ سامعہ مین رہتی ہے ضوریز نغمون کی ضیا

کرنا صنّاع کے لئے زیبا نہین، صنّاع کے واسطے کسی نصب العین کے تعقل کے بعد اس کے اعادہ کے وقت حقیقت کی نقل مین اپنے افکار و وجدانات کی رنگ آمیزی کی بھی ضرورت ہی فطرت کی شبیہہ کشی مین موقع موقع سے اپنے افکار و وجدانات کا اضافہ بھی چاہئے، صنّاع فطرت کے سرمایہ سے چند چیزون کو چنکر اور انھین ترتیب کی رنگ آمیزی سے نظر فروز بنا کر فطرت کے مفہوم پنہان اور معانی نہفتہ کو آشکارا کرتا ہی کسی خاص خط و خال یا سیرت نمایان، یا کسی مخصوص تصور کو پیش کرنے والی صنّاعی کے نقوش حقیقت سے زیادہ اُجاگر ہوتے ہین، اسی بناپر ذہن انسانی اس قسم کی صنّاعی سے زیادہ متاثر ہوتا ہی، وجدان کی زد مین اگر صنّاع اپنی ہمت اس امر پر منحصر کر دیتا ہے کہ جس طرح اس سے بن پڑے اسے تخلیت کے سانچہ مین ڈھال دے اس وجہ سے وہ انکی نقل بعینہٖ نہین اُتارتا بلکہ جسطرح وہ خود محسوس کر چکا ہے اسی طرح نقل مین بھی اس اپنی نوعیتِ احساس کی تقلید کرتا ہی،

یہ سوال کہ صناعی تابعِ اخلاق ہے یا اس سے بلند و بالا، اس کے جوابات مختلف طور پر دئے گئے، افلاطون حکیم اور اس کے ہمنوا افراد نے کہا کہ اخلاق پر صنّاعی کی بنیاد قائم کیجائے، ان کے نزدیک صنّاع کا یہ اہم فرض ہی کہ وہ اپنے جذبات عالی کی بزم مین دوسرون کو بھی شرکت کی دعوت دے، اس گروہ کے خیال مین صنّاعی سے محض اخلاقی تعلیم مقصود ہی، بعض اس حد بندی کو نہین مانتے اور صنّاعی کا مطلق جمیل ہونا ہی انکی نظر مین حقیقی غایت و مدعا ہی، وہ کہتے ہین کہ جمال و

دونون کی پہنائیان لبریز کیفِ حسن ہین ۔۔۔ بستیان احساسِ لذت کی ہین ہر اک مین جدا
یہ الگ اشیائے عالم سے نظر آتا نہین ۔۔۔ یہ دکھایا کرتا ہے، رہ کر انھین مین معجزہ
ریگ کے ذرون مین اجرامِ سماوی مین یہی ۔۔۔ جس جگہ جاؤ ملے گا، اس کا قصر آراستہ
کہکشان کی چادرِ پُرنور، قرصِ ماہ و مہر ۔۔۔ التہابِ برق اور بزمِ نجوم پُرضیا،
سنگ خارا کی ردائین اور نباتی جامہ وار ۔۔۔ کسوتِ حیوان و انسان سب مین ہر یہ رونما
رنگ بیزی و نوا ریزی اسی کے ہین محل، ۔۔۔ مختلف لذت کی تصویرین ہین جس مین جابجا
باصرہ افروز نیرنگون مین گلگون کے ہے یہی ۔۔۔ سامعہ مین لحن کے آئینون کی یہ ہے جلا،
ساز کے پردون مین خوابیدہ ترنم بھی یہی ۔۔۔ جب ذرا مضراب نے چھیڑا اُٹھا ہنستا ہوا

حسن صورت ہی مین پایا جاتا ہی، مادے اوسے کوئی واسطہ نہین، کیونکہ وہی مادہ مکروہ و قبیح بھی بن سکتا ہی بعض نے جمالیات کو اتنا بڑھایا کہ اون کی نظر مین اخلاق جمالیات سے پست و فروتر معلوم ہونے لگا، جمالیات کا پرستان آج کا نہین عہدِ مشین کی یادگار ہی، پہلے پہل جرمنی فلاسفر ولف کے شاگرد جام گارٹن کی نکتہ رس طبیعت نے اسے استعمال سے روشناس کیا، جسکی حقیقت یہ ہی کہ اس نے جمالیات کی لفظ ایک یونانی لفظ سے نکالی جس کے معنی حواس سے محسوس کرنے کے تھے، اور اس علم کا نام جمالیات رکھ دیا، جسکے اصلی معنی تو احساس اور ادراک کے ہین لیکن اشیائے جمیلہ کیلئے اب اس کا اطلاق مخصوص ہو گیا، اس کی تحقیق مین ادراک عقل سے نہین بلکہ حواس سے تعلق رکھتا ہی،

موضوعِ حُسن پر فلاسفۂ یونان کی نکتہ آفرینیان بھی لائقِ مطالعہ ہین، سقراط کی نظر مین اخلاق کا تصور ایک خاص افضلیت رکھتا ہی، اور اس تصور کے اثر کی بھی ایک مخصوص اہمیت ہی، اس کے نزدیک جمیل مفید کا مثیل ہی، افلاطون تصور جمیل تصورات خیر و الوہیت کے مماثل بتاتا ہی، اس بنا پر لفظاً حُسن مجرد مطلق ناقابلِ تغیر شے کی طرح ہی اور حسن کو وہ ایسی ہی تسلیم کرتا ہی کہ جو حقیقتِ خارجی سے علحدہ ہی، چونکہ شاہدِ حقیقی کے لازوال حُسن کی پُر عظمت و مقدس جلوہ ریزیون سے روحِ انسانی اپنی حیاتِ ارضی سے پیشتر متمتع اور شرف اندوز ہو چکی ہی، اس بنا پر ایسی شے جسمین حُسنِ ازل کے رشحات

یا حجابِ ساز اک محفل ہے ذوقِ گوش کی
حُسن کے نغمون کا رہتا ہے جہان پر جمگھٹا

یا یہ پردے اوس کے روئے دلربا کے ہین نقاب
جن کے اٹھتے ہی شکیب و ضبط ہوتے ہین فنا

دہر کے خمخانۂ لذت کا ساقی ہے یہی
جس نے پیمانون کو احساسات کے یکسر بھرا

روح بالیدہ ہو جس سے یہ ہے وہ کیفِ نشاط
گلکدے دل کے مہک جاتے ہین یہ ہے وہ صبا

مادیت پست کر دیتی ہے جب ذوقِ طلب
پھونکتا ہے آکے یہ انسان مین روحِ اعتلا

اس سے جذباتِ مہذب جاگ اٹھتے ہین تمام
گلشنِ تہذیب اس سے پاتا ہی نشو و نما

مادیت سے نکل کر سیر کرنے کے لئے
جادۂ ادراک پر لے آتا ہے یہ رہنما

چشمِ باطن کو دکھا دیتا ہے ایسا جلوہ زار
جس کا لپکا ذوقِ تشنہ سے نہین پھر چھوٹتا

حُسنِ مطلق کا یہ اک پرتو ہے جو عالم مین ہی
سایہ پھر سایہ ہے، جسکو اصل سے نسبت ہی کیا

یہ مقیدِ حُسن مطلق کی دلیلِ راہ ہے
اس سے ملتا ہے ہمین روحانیت کا راستہ

وہ کشادہ راہ جس جا بخششِ جنت کل اک قدم
وہ بلندی جس جگہ ہفت آسمان تحت الثریٰ

کی جھلک ہو اس کا نظارہ بھولے ہوئے منظر کی یاد دلا کر بیچین اور خود رفتہ بنا دیتا ہی، افلاطون یہ بھی کہتا ہی کہ حُسن ہمارے حواس سے بالکل آزاد اور اشیائے عالم مین بالطبع موجود رہتا ہی، لیکن نظریۂ ارتقا سے اسکے قول کی تائید نہین ہوتی یہی وجہ ہے کہ متاخرین افلاطون کے خلاف رائے قائم کرنے پر آمادہ ہو گئے، اور یہ ظاہر کیا کہ اشیائے عالم سرتاسر حُسن سے خالی ہین، یہ شعبدہ بازی جو دکھائی دیتی ہی، یہ سب کی سب انسانی احساسات و حواس کی کرشمہ سازی ہی، اس کے علاوہ حسن کا کہین نام و نشان نہین معلوم ہوتا، قرون متوسطہ نے جمالیات کے متعلقہ تخیلات سے سخت بے اعتنائی برتی، انگریزون کے حُسنِ التفات کی آبیاری سے اس نہال مین برگ و بار پیدا ہوئے، انگریزی فلاسفہ نے صرف تجربہ کو اپنی توجہ و میلان کا مرکز بنا کر کسی شے کو ایسے ارتسامات جو حواس و ذہنِ انسانی پر مرتسم ہو جاتے ہین، اصل شے کو نظر انداز کر دیا اور اس کے ارتسامات پر تحقیق و تنقید، غور و فکر کے دریا بہائے، اس بنا پر جمالیات فلسفہ کا ایسا شعبہ تھا کہ اس کے امیال و عواطف کے لحاظ سے تحقیق و جستجو کی ٹکٹکی اسکی طرف بندھ گئی، کسی شے کے خیال سے جو ارتسامات انسان مین رونما ہوتے ہین انگلستان والے انھین ارتسامات کو مبدء تحقیق قرار دیکر اسی سے جستجو کا آغاز کرتے ہین اور آگے بڑھکر یہ تفتیش کیجاتی ہی کہ معرضِ بحث شے مین کس قسم کے صفات اور اعراض کا پایا جانا لازمی ہی، یا اس بنا پر کہ وہ اثراتِ جمال پیدا کر سکے،

ہر طرف پھیلی ہوئی ذوقِ طلب کی تیز دھوپ
دور تک کوئی نشان رہ نہ منزل کا پتا

اور اس سے آگے گلزارِ تحیر کی مہک
جس سے بیخود ہو کے رہجاتا ہی ادراک رسا

رنگ و بوئے گیتی کے ہین سرمایہ دار التذاذ
اُس جگہ دونون کے دونون بحقیقت، بینوا

گل تواریزی تصدق لذت آور وہ سکوت
گل تبسم ہیچ و ناکارہ شگفتہ وہ فضا

کیف و کم کی اس جگہ میزان نہین منت پذیر
قید و بندش کا وہان ادنیٰ نہین کچھ واسطہ

نورِ عالم کُل کا گُل اس جا پہ اک داغ سپید
اور نشان عالم کا اس جا ایسا جیسے نقش پا

مادیت تاب لا سکتی نہین جس دید کی،
اس طرح کا حُسن مطلق ہر طرف پھیلا ہوا

لامکان کے گوشۂ تقدیس مین اک عشوہ گر
سامنے جس کے ہی اپنی منزلت کا آئینہ

دیکھتا ہے آپ ہی اپنا جمال بے مثال
غیر فانی اپنی سج دھج کا ہے خود ہی مبتلا

بے جھجک آگے بڑھے جاتے ہو بس ٹھہرو سرور
کیا نہین معلوم تمکو راستہ ہے کون سا!

تلخیص وتبصرہ

گیٹے

اور

اوسکی صدسالہ برسی،

گیٹے جرمنی کا ایک مشہور فلسفی، مشہور شاعر، مشہور انشاپرداز اور مشہور ناولسٹ تھا، اور اہل جرمنی نے موت و زندگی دونوں حالتوں مین اوسکی نہایت قدر کی، اب جب کہ اوسکی وفات پر ایک پوری صدی گذرچکی ہے، اہل جرمنی نے اوسکی صدسالہ برسی منا کر اپنی عام عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے، اور اس تقریب سے اپریل ۱۹۳۲ء کے مسٹنف نے ایک طویل مضمون گیٹے کے سوانح زندگی پر شایع کیا ہی، جس کا خلاصہ ہم ناظرین معارف کی دلچسپی کیلئے درج کرتے ہین، وہ لکھتا ہی:-

گیٹے ۲۸ر مارچ ۱۷۴۹ء کو شہر فرنیکفرٹ مین پیدا ہوا، جو جرمنی کا ایک عظیم الشان تجارتی شہر ہی، اوس کا باپ اگرچہ ایک دولتمند شخص تھا، تاہم وہ کسی شریف خاندان سے تعلق نہین رکھتا تھا، بلکہ اس کا دادا جولاہا تھا، اور فرنیکفرٹ مین اپنا پیشہ کرتا تھا، پھر بعد کو ایک ہوٹل کا منیجر ہوگیا، لیکن چونکہ وہ اپنے خاندانی پستی سے واقف تھا، اسلئے اوس نے اپنے بیٹے یعنی گیٹے کے باپ کو عمدہ تعلیم دلائی، تاکہ خاندانی پستی کی تلافی علمی ذریعہ سے ہوجائے، چنانچہ اوس نے تعلیم مین اسقدر ترقی کرلی کہ فرنیکفرٹ کے متوسط طبقہ کے بہترین لوگون مین اس کا شمار ہونے لگا، یہان تک کہ اوس نے ۱۷۴۸ء مین ایک شریف خاندان مین شادی کرلی، اور شادی کے بعد جو سب سے پہلا لڑکا پیدا ہوا

وہ یہی گیٹے تھا،

خوش قسمتی سے گیٹے نے تعلیم مین اپنے باپ سے زیادہ ترقی کی اور دولتمندی نے اوسکی تعلیم کی راہ مین ہر قسم کی آسانیان پیدا کین، چنانچہ اس نے بچپن کی خانگی تعلیم مین مختلف زبانین مثلاً لیٹن، یونانی، انگریزی اور فرنچ سیکھ لین، زبان کے علاوہ علوم وفنون مین اوس نے ریاضی، موسیقی، اور تصویرکشی کی تعلیم بھی گھر ہی پر پائی، گو وہ ریاضی اور تصویرکشی مین کوئی امتیاز نہ پیدا کرسکا، تاہم تصویرکشی مین ایک متوسط درجہ کی مہارت پیدا کرلی،

فرنیکفرٹ مین بہت سے یہودی بھی رہتے تھے، جن کی زبان جرمن اور عبرانی زبان سے مخلوط تھی، اس تعلق سے گیٹے نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی، اور اسمین اس قدر مہارت بہم پہنچائی، کہ توراۃ کو اوسکی اصلی زبان مین پڑھ سکتا تھا، جرمن قوم کی ایک عام اخلاقی خصوصیت صبر واستقلال وتفرد وتوحد ہی اور اسی اخلاقی خصوصیت نے جرمنون مین اسپشلسٹ یعنی کسی علمی یا عملی شعبے مین خصوصی بننے کی قابلیت اور قومون سے زیادہ پیدا کردی ہی، لیکن گیٹے مین اسکے بخلاف تلون مزاجی پائی جاتی تھی اسلئے وہ مستقلاً کسی ایک موضوع ایک علم اور ایک شعبے پر قناعت نہین کرسکتا تھا، بلکہ اوسکا دماغ علم وفن کے ہر دائرے مین چکر لگاتا رہتا تھا، یہی وجہ ہی کہ اوس نے ابتدا ہی سے مختلف موضوع کو اپنا جولانگاہ بنایا، بعض لوگون کا خیال ہے کہ اگر وہ صرف شعر یا ادب پر اکتفا کرتا تو اوس سے زیادہ مکمل پیدا کرتا جتنا اوس نے اس علمی دشت گردی مین پیدا کیا، بہرحال گھر کی تعلیم سے فارغ ہوکر وہ اکتوبر ۱۷۶۵ء مین سولہ سال کی عمر مین لیپزگ کی یونیورسٹی مین داخل ہوا، گیٹے کے والد نے قانون کی تعلیم حاصل کی تھی، اسلئے اس کی خواہش یہ تھی، کہ اس کا بیٹا بھی سب سے پہلے قانون ہی کی تعلیم حاصل کرے، لیکن گیٹے بالطبع علم ادب کا شائق تھا، اور اس نے قانون کے پروفیسر سے اپنے اس ذوق کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ "ادب ایک سطحی علم ہے، عمیق النظر طلبہ اوسکی طرف توجہ نہین کرتے"، اس بنا پر اس نے کچھ دنون قانونی لکچرون مین شرکت کی، لیکن بعد کو دل برداشتہ ہوکر قانون کی تعلیم کو چھوڑدیا، اوس نے اپنی کتاب فاؤسٹ مین طالب العلم اور ابلیس کا جو مکالمہ لکھا ہی، وہ غالباً انھی طالب العلمانہ تجربات کا نتیجہ ہی، بہرحال وہ قانون کو چھوڑکر اپنے ذوق کے مطابق دوسرے علوم کی تکمیل مین مشغول ہوا

اور علم ادب کے ساتھ تاریخ طبعی اور علم طب سے بھی دلآویزی پیدا کی، لیکن اوس نے لیپزگ یونیورسٹی مین اپنی زندگی کا بہت کم حصہ بسر کیا، وہ اپنے اوقات زیادہ تر فنون لطیفہ کے معاہد مین صرف کرتا تھا، اور جس ہوٹل مین کھانا کھاتا تھا، اوسکی لڑکی کے وصف مین عاشقانہ اشعار کہتا تھا، اسی زمانے مین اوس نے دو ناول "مزاج عشاق" (DIE LAUNE DESUEYLIEBTEN) "ذہن کا جرم" (DIE.MILSCHULDIGEW) لکھے، اور گیٹے کی تصنیفات مین سب سے قدیم تصنیف یہی دونون ہین، اس کے پہلے اوس نے جو کچھ لکھا تھا، وہ ضائع ہوگیا، بلکہ ان کا زیادہ تر حصہ اوس نے خود جلا ڈالا،

لیپزگ مین تین سال بسر کرنے کے بعد وہ ۱۷۶۸ع مین سخت بیمار ہو کر فرینکفورٹ واپس آیا، اور ۱۷۷۰ع کے ابتدا مین کامل شفا پائی، اب اوسکے باپ نے اوسکے غیر مطبوع موضوع یعنی قانون کی تعلیم کیلئے پھر بھیجنا چاہا، اور اپریل ۱۷۷۰ع مین اوسکو اسٹراسبرگ کی یونیورسٹی مین بھیجا، یہان اوس نے قانون کی تعلیم تو جبراً حاصل کی، لیکن اپنے وقت کا بڑا حصہ تشریح، علم النباتات، کیمیا، اور علم ادب کی تحصیل مین صرف کرتا رہا، غرض اوسکی تعلیم کا زمانہ اس طرح گذرا کہ اوس نے کبھی ایک علم پر قناعت نہین کی، بلکہ ہمیشہ زبان کا ذائقہ بدلتا رہا،

اسٹراسبرگ کا تعلیمی زمانہ گیٹے کے سوانح حیات مین خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے، اسی زمانہ مین اوس نے قانون مین ڈاکٹری کی سند حاصل کر کے اپنے باپ کی آنکھین ٹھنڈی کین اور اسی یونیورسٹی مین وہ ہرڈر (HERDER) سے ملا، اور اوس سے مستفید ہوتا رہا، ہرڈر نے اصول علم ادب مین بہت سی کتابین لکھی تھین، اور وہ گیٹے کو اپنی خاص تعلیمات سے متاثر کرتا رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گیٹے کی توجہ ہومر اور شکسپیر وغیرہ کی طرح قومی شعر و ادب کی طرف مبذول ہوگئی، اور اوس نے جرمنی کی تاریخ مین جرمن روح اور ٹیوٹن قوم میتھالوجی کی جستجو شروع کر دی، اور ان کوششون کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی مین ایک نیا ادبی دور شروع ہوگیا، جو ان تمام قیود سے آزاد تھا، جو ادب قدیم و فن قدیم کے ذوق و شغف نے عائد کر دی تھین،

اس جدید تحریک کا نام (STURM UND DRANG) ہے جسکا ترجمہ تو مشکل ہے،

البتہ لفظ "شورش" و "اضطراب" سے کسی قدر یہ مفہوم ادا ہو سکتا ہے، گیٹے کے مشہور ڈراما "گوٹز" (GOTZ) مین اسی روح کی جلوہ گری پائی جاتی ہے،

اسٹراسبرگ کے قریب ہی ایک گاؤن مین ایک پادری رہتا تھا، اور اسی سلسلہ مین اس سے گیٹے کی شناسائی ہوگئی، اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہوگیا، رفتہ رفتہ وہ اوسکی لڑکی پر فریفتہ ہوگیا، اور نوبت یہان تک پہنچی کہ عقد کے متعلق غور و فکر ہونے لگا، لیکن پھر گیٹے نے اوسکو اپنی آیندہ زندگی کے اعمال جلیلہ کے لئے ایک بڑی بیجا، اسلئے اوس نے اس تخیل سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور اگست ۱۷۷۱ع مین ڈاکٹر اور وکیل بنکر فرینکفورٹ واپس آیا، اور وطن مین واپس آنے کے بعد اوس نے اپنا مشہور ناول "گوٹز" لکھنا شروع کیا، جو ۱۷۷۳ع مین شایع ہوا، لیکن اوسکے شایع ہونے سے ایک سال پہلے گیٹے وسلار مین جہان ہائیکورٹ تھا، قانونی مشاغل کی مہارت بہم پہنچانے کے لئے چلا گیا، اور وہان جاکر شرلوت بوف پر جو کیسٹنر کی منگیتر تھی، فریفتہ ہوگیا، اور چند مہینون کے بعد فرینکفورٹ مین واپس آکر اس عشق کا نتیجہ ایک کتاب کی صورت مین ظاہر ہوا، جس کا نام "آلام ورتر" تھا، یہ کتاب اگرچہ جرمن علم ادب مین کوئی بلند پایہ کتاب نہ تھی، تاہم اوس سے گیٹے کی شہرت مین خاص اضافہ ہوا، اور اس کا اثر اوسکی آیندہ زندگی پر پڑا، اس کتاب کے شائع ہونے کے چند دنون کے بعد وہ فرینکفورٹ مین پھر ایک دولتمند شخص کی لڑکی پر فریفتہ ہوا، جس کا نام "اناشونمان" تھا، اوس کا نام اوس نے لیلی رکھا، اور اوس سے قانونی عقد بھی کر لیا، لیکن وہ اوس کو قائم نہ رکھ سکا، اور چند دنون کے بعد فسخ کر ڈالا، ۱۷۷۵ع مین جب کہ اوس کا سن ۲۶ سال کا تھا، اور اپنے اشعار اور تصنیفات کی بدولت جرمنی بلکہ تمام یورپ مین کافی شہرت حاصل کر چکا تھا، اوسکی ملاقات کارل اوگسٹ ڈیوک ویمر سے کارلسرہی مین ہوئی جس نے اوسکو سیر ویمر کی دعوت دی، یہ پہلی ملاقات تھی، اوس کے بعد یہ ڈیوک خود فرانکفورٹ مین آیا، اور گیٹے سے دوبارہ ملاقات کی، اور ویمر آنے پر سخت اصرار کیا، گیٹے کا باپ اگرچہ امرا کے تعلقات کا مخالف تھا، تاہم مجبوراً چند ہفتے کی اجازت دی لیکن یہ کیا معلوم تھا کہ یہ مقام گیٹے کا دوسرا وطن ہو جائے گا، اور اوسکی قبر کا گنبد یہین بنے گا،

اسوقت جرمنی کی حکومت جن مختلف حصون مین منقسم تھی، ویمر اس کا ایک چھوٹا سا حصہ تھا، اوسکے باشندون کی تعداد بہت کم تھی، جو تمامتر زراعت پیشہ تھی، اس حصہ کی آمدنی بھی اگرچہ بہت کم تھی، تاہم اوسکے رئیس کی قدردانی سے وہ علماء و فضلا، کا بڑا مرکز بن گیا تھا، اور اس حیثیت سے پوٹسڈم کے سوا اس کا کوئی دوسرا حریف نتھا، البتہ دونون مین یہ فرق تھا کہ فرڈرک اعظم صرف لیٹن علم و فن کی قدردانی کرتا تھا، اور فرانسیسی زبان کا شیدائی تھا، لیکن اوسکے بخلاف ویمر کے تمام باشندے جرمن تھے، اور وہان صرف جرمن علوم و فنون کی فرمانروائی تھی، اور اس بحاظ سے جرمن علم ادب پر اوسکا خوشگوار و پائدار اثر پڑتا تھا،

ویمر اپنے مناظر طبعی کے بحاظ سے بھی ایک عمدہ مقام تھا، اسلئے گیٹے اپنے دوست ڈیوک کے ساتھ سیر و تفریح کے بھی لطف اوٹھاتا تھا، علمی گفتگو بھی کرتا تھا، اور ویمر کے سیاسی معاملات پر بھی بحث ہوتی تھی، دونون مین سخت بے تکلفی تھی، اور کاشتکارون اور مزدورون سے ملتے جلتے رہتے تھے، یہان تک کہ رات رات بھر مزدورون کی لڑکیون کے ساتھ رقص و سرود مین مصروف رہتے تھے، اگرچہ اس زندگی نے اون کے اصلی مشاغل پر کوئی اثر نہین ڈالا، تاہم ویمر کے ابتدائی سالون مین گیٹے کوئی قابل ذکر مصنف کی حیثیت سے نمایان نہو سکا،

ڈیوک ویمر نے گیٹے کو بمشاہرہ ۱۲۰۰ ڈالر ایک سرکاری عہدے پر بھی سرفراز کیا جو ویمر مین ایک معزز عہدہ خیال کیا جاتا، لیکن ڈیوک کا یہ تقرب، اور دفعۃً اتنے بڑے عہدہ کا یہ تقرر قدیم ملازمین کے لئے باعث رشک ہوا، اور ان لوگون نے یہ شکایت کی کہ نیچے کے درجون سے ترقی کئے بغیر وہ اس عہدے کا مستحق نہین ہو سکتا، اس لئے جو لوگ اوسکے مستحق تھے، اون کی حق تلفی ہوگی، لیکن ڈیوک نے گیٹے کی قابلیت کی بنا پر اس کو اس عہدے کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیا،

اب اس تعلق سے ڈیوک اور گیٹے کے دوستانہ تعلقات اور بڑھ گئے، اور بڑے بڑے انتظامی معاملات اوسکے متعلق کئے گئے، ڈیوک نے گیٹے کو مستقل قیام کے لئے نہر الم پر ایک چھوٹا سا خوشنما گھر بھی بنا دیا، اور گیٹے نے ویمر مین قیام کرکے مستقل دس برس تک نہایت اہم اصلاحی اور سیاسی خدمتین انجام دین،

ادبی اور علمی خدمات کا سلسلہ اس سے الگ تھا، اور ایک تجربہ کار لیڈی شارلوٹ فان شتائن کی محبت کے رشتہ دراز کا سلسلہ اس پر مستزاد تھا، ان تمام اعمال شاقہ کو دیکھکر ڈیوک کی خواہش تھی کہ گیٹے تھوڑا سا وقت آرام کے لئے بھی نکالے لیکن گیٹے نے ۱۷۸۶ء سے پہلے کبھی آرام و اطمینان کی طرف رُخ نہین کیا، البتہ اس سن مین جب اوس نے اٹلی کا سفر کیا اور مستقل ہینے کی سیاحت مین اوسکو رومن قوم کی تہذیب کے عظیم الشان آثار نظر آئے تو ویمر کے سیاسی اور انتظامی امور کے انصرام سے وہ دل برداشتہ ہو گیا، علمی و ادبی خدمت کے انجام دینے کا شوق بہت زیادہ بڑھ گیا، چنانچہ اوس نے اٹلی سے ڈیوک کی خدمت مین استعفا بھیجدیا، اور ڈیوک نے دوستانہ تعلقات کی بنا پر اوسکو منظور کر لیا، البتہ گیٹے نے خود اپنی خواہش سے ان علمی اور فنی خدمات کو اپنے ہاتھ مین رکھا، جو تھیٹر سے تعلق رکھتی تھین، اوسکے بعد گیٹے ۱۷۸۸ء مین ویمر واپس آیا تو بالکل بدلا ہوا تھا، میڈم فان شتائن نے بھی اوسکی خشک مزاجی کو محسوس کیا، اور رفتہ رفتہ دونون کے عاشقانہ تعلقات منقطع ہو گئے، لیکن یہ طوق اس کے گلے سے جدا نہ ہوا، بلکہ ۱۷۸۸ء مین ویمر کے ایک باغ مین اوسکو ایک نوخیز لڑکی ملی، جس کا نام کرشیان تھا، یہ لڑکی اگرچہ ادنیٰ درجہ سے تعلق رکھتی تھی، اور تعلیم مین بھی اوس کا درجہ بلند نہ تھا، تاہم گیٹے اوس کے حسن و جمال اور لطافت اخلاق پر فریفتہ ہو گیا، اور اس قدر تعلقات بڑھائے کہ اوس سے شادی کر لی، تاہم چونکہ دونون کے درجہ و حیثیت مین نمایان فرق تھا، اس لئے گیٹے پر سخت ملامتون کی بوچھار کی گئی، وہ اگرچہ رسم و رواج کا پابند نہ تھا، تاہم ان اعتراضات کا اوس پر یہ اثر ضرور پڑا کہ وہ قانوناً اوسکے نکاح کا اعلان نہ کر سکا، بہرحال گیٹے نے اوسکی صحبت مین مدتون خوشگوار زندگی بسر کی، اور اوسکی اعانت سے اپنی بہترین نظم "منظومات رومانیہ" کو لکھ سکا، اور علمی تحقیقات اور بصریات و ریاضیات وغیرہ مین دیوانہ وار مصروف رہنے لگا، لیکن اسکے بعد یورپ کی سیاسی فضا مین سخت ہیجان پیدا ہوا، اور شاہی حقوق کے خلاف فرانس مین شورش برپا ہوئی، اور اوسکے مقابلہ مین تمام سلاطین یورپ نے باہم اتحاد کرکے شاہی حقوق کی حفاظت کیلئے جنگی تیاریان کین، گیٹے اگرچہ ان مین کسی کا حامی نہ تھا، تاہم شہنشاہ پرشیا بھی اس اتحاد مین شامل تھا،

اور اس تعلق سے اوس نے ڈیوک ویمر کو ایک فوج کا سپہ سالار بنایا، اس لئے گیٹے کو بھی اوسکی رفاقت کرنی پڑی، تاہم اس حالت مین بھی وہ اپنا وقت تمامتر علمی کامون مین صرف کرتا تھا، یہان تک کہ جب اتحادیون کو شکست ہوئی تو وہ اس لئے خوش ہوا کہ اب وہ ان مشاغل کو اور بھی زیادہ دلجمعی سے انجام دے سکیگا،

اس کے بعد گیٹے ۱۷۹۲ء کے اخیر مین ویمر واپس آیا، اور دوسرے سال کے مئی مین انجمن تاریخ طبیعی کے ایک لکچر کے سلسلے مین شلر سے ملا، اور اوسوقت سے دونون مین دوستانہ تعلقات پیدا ہوئے، جو بعد کو اتنا بڑھے کہ دنیا کی ادبی تاریخ مین اوسکی نظیر نہین ملتی،

بڑھاپے مین یورپ کے تمام جھگڑون سے الگ ہو کر گیٹے نے ایک دوسری قسم کی شاعرانہ وادیانہ زندگی اختیار کی یعنی مشرقی علم ادب کی طرف متوجہ ہوا، اور اس سلسلہ مین یک طرف اوسکے ہاتھ مین حافظ کا دیوان اور دوسرے مین قرآن تھا، وہ ان دونون سے نہایت شغف رکھتا تھا، اگر وہ براہ راست عربی اور فارسی زبان سے واقف ہوتا، اور اون کے ترجمون سے کام نہ لیتا، تو وہ ان سے اور بھی زیادہ متاثر ہوتا، بہر حال اس تاثر کا نتیجہ ایک نادر کتاب "دیوان الشرق والغرب" کی صورت مین ظاہر ہوا، جسمین اوس نے مشرق کی بہت سی تصویرین کھینچین اور ان اشعار کی شرح مین مشرق کے بہت سی تاریخی حالات بھی لکھے، گیٹے نے طویل عمر پاکر ۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء کو ویمر مین وفات پائی، اور اپنے دوست شیلر کے پہلو میں دفن ہوا،

"ع"

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اوسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار: اردو مین شعرا کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس مین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی اور اکبر تک کے حالات، ضخامت :- ۵۴۰ صفحے - قیمت :- صر

منیجر

اخبار علمیہ

سقوط یریحو

اب سے تین ہزار سال قبل یریحو (JERICHO) فلسطین کی ایک سرکش اور متمرد قوم کا دار السلطنت تھا، جب خداوند عالم کو منظور ہوا کہ وہ اس قوم کو سزا دے، اور وراثت ارض کا جو وعدہ بنی اسرائیل سے کیا تھا، اُسے پورا کرے تو اُس نے حضرت یشوع کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم تھے، یریحو کی تسخیر پر مامور فرمایا، چنانچہ حضرت یشوع بنی اسرائیل کو لیکر اس مہم پر روانہ ہوئے، اور وادی یردن مین پہنچکر اس شہر کا محاصرہ کرلیا، اور ہدایت خداوندی کے بموجب سات کاہنون کو حکم دیا، کہ نرسنگھے پھونکین، اور ساتھ ساتھ پوری فوج زور سے للکارے، نرسنگھون کی آواز اور فوج کی للکار کا اثر یہ ہوا کہ شہر کی دیوارین گر گئین، اور یریحو مسخر ہو گیا،

سقوط یریحو کے متعلق کتاب یشوع (توراۃ) کی مذکورۂ بالا روایت عام طور پر تسلیم کی جاتی تھی، لیکن حال مین اثریات کے ایک ماہر نے تحقیق جدید کی بنا پر اس روایت کی صحت سے انکار کیا ہے، اور دیوارون کے گرنے کا سبب زلزلہ کو قرار دیا ہے، پروفیسر گارسٹانگ (GARSTANG) جنھون نے یریحو کے آثار قدیمہ کی تحقیق کی ہے، روایت بالا سے انکار کی وجہ یہ بتاتے ہین کہ نرسنگھون اور آدمیون کی آواز کا اثر دیوار کی اینٹ اور چونے پر ایسا نہین پڑ سکتا کہ وہ ایک دوسرے سے علحدہ ہو جائین، اور دیوار گر جائے، برخلاف اس کے ان دیوارون کی حالت اور وہان کی زمین کی کیفیت دیکھ کر شبہہ نہین رہجاتا کہ یہ کسی زلزلہ کا اثر تھا، اس دعویٰ کے ثبوت مین پروفیسر موصوف بیان کرتے ہین کہ وادی یردن مین جن

یریحو واقع ہی، زلزلہ کے اثرات قبول کرنے کی صلاحیت بہت پائی جاتی ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۲۷ء مین بھی وہان ایک زلزلہ آیا تھا، ایسا ہی زلزلہ اس وقت بھی آیا ہوگا، اور بنی اسرائیل منہدم دیوارون پر چڑھ کر شہر مین داخل ہوگئے ہون گے،

یریحو کی دیوارین نرسنگھون کی آواز سے گرین، یا پروفیسر گارسٹانگ کے زلزلہ سے اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالی کو ہے لیکن اتنا ہم بھی جانتے ہین کہ تحقیق جدید کا جو تیشہ مذہب اور مذہبی روایات کی دیوار پر لگایا جاتا ہے، اُس کا اثر عوام کی نگاہون مین بالکل نمایان ہی،

سوال یہ ہے کہ عین اس وقت جب یہود حملہ آور ہوے یریحو کی دیوارین زلزلہ کے اثر سے کیون گرگئین، کیا ان دو واقعون مین بھی کسی اثر قدیم سے تناسب کا پتہ چل سکا،

زہریلی گیس کا تریاق

تہذیب حاضر نے آلات حرب مین جہان سیکڑون حیرت انگیز ایجادین کی ہین وہان ایک زہریلی گیس بھی بھی تھی جسکے استعمال سے بڑی بڑی آبادیان دیکھتے دیکھتے ہلاک و برباد ہوجاتی ہین، اور غنیم کی عظیم الشان آتش انداز توپین بھی اسکی مدافعت مین بیکار ثابت ہوتی ہین، اس گیس کا مسئلہ عرصہ سے حکومتون کے زیر غور تھا، اور ماہرین فن ایک ایسے تریاق کی تحقیق مین کوشان تھے، جو ہر طرح کی زہریلی گیس سے محفوظ کردے، اسٹیٹسمین (ا مئی [illegible]) کی اطلاع ہے کہ اس دریافت و تحقیق کا امتیاز برطانیہ کے حصہ مین آیا، اور وہان محکمہ جنگ کے ماہرین سائنس نے چودہ سال کی سعی و کاوش کے بعد ایک ایسا تریاق معلوم کرلیا ہے، جو زمانہ حال کی جنگون کی تمام مروجہ گیسون سے محفوظ کردیتا ہے، چنانچہ اس کا تجربہ بھی کیا گیا، اور یہ تریاق اُن لوگون پر استعمال کیا گیا جو بعض زہریلی گیسون سے متاثر ہوچکے تھے، اس کے استعمال سے وہ پھر صحیح و توانا ہوگئے، یہ ایجاد بنی نوع انسان کے حق مین ایک نعمت ثابت ہوگئی، اور برطانیہ کا یہ کارنامہ ایک یادگار خدمت خلق تصور

کیا جائے گا، بشرطیکہ سائنس کی محیر العقول ترقیان کسی روز اس تریاق کا جواب بھی تیار نہ کردین،

ایک حیرت انگیز تلوار

اسٹیٹسمین (ا مئی ۲۲ء) کی روایت ہے کہ لندن کے ایک بینک مین ایک ایسی تلوار موجود ہے، جس سے ایک یورپین ملکہ کا قتل ہوا، اور جو اس درجہ منحوس ہے کہ جس کے پاس رہی اُسے شدید نقصانات پہنچائے، سنہ ۱۹۰۳ء مین وائنا کے ایک شخص نے اسے بنا کر اس کے سرے کو زہر مین بجھایا تھا، اس کے بعد اسے میجر کوسٹک MAGOR KOSTICK نے خریدا، جو سرویا کے شاہی فوجی دستہ کا ایک افسر تھا، اسے خریدنے کے چند ہی روز بعد کوسٹک ان آٹھ آدمیون مین شامل ہوگیا جنھون نے ڈراگا (DRAGA) ملکہ سرویا کے قتل کی سازش کی تھی، چنانچہ اسی تلوار سے ڈراگا اور اُس کے شوہر شاہ اسکندر کو قتل کیا گیا، اور ان دونون کی نعشین محل شاہی کی کھڑکیون کے باہر پھینک دی گئین، اس قتل کے بعد کوسٹک کو ڈراگا اور اسکندر کی روحون نے پریشان کرنا شروع کیا، اور اس نے عاجز آکر وہ تلوار ایک کرنل کو دیدی، اُس کرنل نے بھی اُسے اپنے پاس رکھنا مناسب نہ خیال کرکے ایک نوجوان سرٹی افسر کے حوالہ کردیا، اس واقعہ کے چند ہی روز بعد اس افسر کے باپ، مان اور بھائی کا انتقال ہوگیا، گھبرا کر اس نے سنہ ۱۹۱۶ء مین اسے ایک امریکن کی نذر کردیا، جو تاریخی اشیاء کے جمع کرنے کا شائق تھا، اس امریکن پر یہ گذری کہ اس کی بیوی ایک گانیوالے کے ساتھ نکل گئی، چنانچہ اس نے بھی اسے علحدہ کرنے کا فیصلہ کرلیا، اور اس کے متعلق اشتہار دیدیا، اسی سرٹی افسر نے اسے پھر لیکر ایک انگریز کو دیا، جو کسی کارخانہ کا مالک تھا، ایک روز یہ انگریز اپنے کارخانہ مین جارہا تھا، کہ ایک چلتی ہوئی مشین مین پھنسا، اور بری طرح زخمی ہوا، اس واقعہ کے بعد اُس نے یہ تلوار اس سرٹی افسر کو واپس کردی، اور اب اس افسر کو یہ معلوم ہوا ہے، کہ سرویا کے بعض لوگون نے اس تلوار اور اس کے مالک کے سر کے لئے پانچ ہزار پونڈ کا انعام مقرر کیا ہے،

ٹرکی مین مسیحی مدرسے

ترکی اخبار سن بوسطہ (Son Posta) مورخہ ۲۹ راپریل ۱۹۳۱ء کا حسب ذیل اقتباس جو ڈاکٹر زویمر کے مشہور مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" مین کسی قدر اظہار برہمی کے ساتھ شائع ہوا ہے ان حضرات کی دلچسپی کا باعث ہوگا، جو قومی تعلیم مین غیرون کی مداخلت بیجا کو گوارا نہین کرتے، :-

"صلح نامہ لاسین" (Lausanne Treaty) کی رو سے ٹرکی مین مسیحی مبلغین کا حق تعلیم وتدریس امسال ختم ہو گیا ہے، حکومت ان تمام مسیحی مدرسون کو بند کر دے سکتی تھی، لیکن صورت حال اس کی متحمل نہ ہو سکتی، کیونکہ تمام بچون کے لئے کافی مدرسے موجود نہین ہین، صورت حال کی اس نزاکت کو پیش نظر رکھکر معلوم ہوتا ہے، کہ وزارت تعلیم نے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ رفتہ رفتہ اس مقصد کی جانب قدم بڑھایا جائے، ان غیر ملکی مدرسون کے خلاف وزارت نے دو تدبیرین اختیار کی ہین، پہلی یہ کہ ترکی بچون کو ان مدارس مین ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ دی جائیگی، یہ ابتدائی درجون کو ان تبلیغی ادارون سے خارج کر دینے کے لئے کافی ہوگا، دوسری تدبیر یہ ہے کہ یونیورسٹی بغیر امتحان کے ان ادارون کی اسناد کو قبول نہ کرے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر غیر ملکی مدارس کے اونچے درجون مین بھی طلبہ کی تعداد کم ہو جائے گی، لیکن ان ادارون کے فارغ التحصیل طلبہ بہت کم ترکی یونیورسٹی مین داخلہ کی درخواست دیتے ہین، وہ اعلے تعلیم کے لئے یورپ یا امریکہ جاتے ہین، لہذا یہ تدبیر ترکی طلبہ کو مسیحی کالجون مین داخل ہونے سے نہ روک سکے گی .... ان تبلیغی مدارس سے جو نقصان پہنچ رہا ہے، وہ ظاہر ہے، انھین کسی نہ کسی طرح روکنا چاہئے ہمین امید ہے کہ حکومت ایسے وسائل اختیار کرے گی، جن سے کم سے کم یہ تو ہو کہ ہمارے بچے مزید نقصانات سے محفوظ رہین"

"ع، ز"

ادبیات

تبرکات حمید

حضرت مولینا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ متفرق غیر مطبوعہ کلام ہمارے پاس ہے جسکو ہم وقتاً فوقتاً ہدیۂ ناظرین کرین گے، ذیل مین انکی چند رباعیان پیشکش ہین،

مرحوم عمر بھر حصول شہرت اور دنیا طلبی سے نفور رہے، ان رباعیون مین اپنے اسی اصول زندگی کی تشریح فرمائی ہے، یہ رباعیان اون کے مطبوعہ دیوان کے اوس نسخہ پر لکھی ہین، جو لارڈ کرزن کے سفر سواحل عرب کی معیت کے زمانہ مین دسمبر ۱۹۰۳ء مین سفر مین اون کے ساتھ تھا، ظاہر ہے کہ یہ موقع وہ تھا، جو ایک شہرت پسند اور دنیا طلب انسان کے لئے زرین موقع کہا جا سکتا ہے، مگر اوسوقت بھی اون کے دل و دماغ مین جو خیالات جوش زن تھے، وہ ان جذبات کے بالکل برخلاف تھے"

(۱)

نادان در جستجوئے کام افتادہ ست
دانا در جستجوئے نام افتادہ ست
بگریز فراہیا ازین ہر دو کہ زود
بینی کہ گلوے شان بدام افتادہ ست

---

(۲)

گویند کہ گمنام بدن از خامی است
آوازۂ و نام جو کہ خوش فرجامی است
در پیش فراہی اے نکو اندیشان
این جستن نام بد ترین بدنامی است

---

(۳)

ہے خاک اگر جہان مین کچھ ہے،
ہے وہم اگر گمان مین کچھ ہے،
تجھ پر کیا ہو، اعتبار اے ہستی!
اک آن مین کچھ اک آن مین کچھ ہے

پیام عشق

ازجناب اظہر نعمانی صاحب ردولوی

پیام عیش بنکر پھر نسیم خوشگوار آئی
ڈھلے اب بادۂ رنگین کہ گلشن مین بہار آئی

نسیم صبح گلشن مین جب آئی عطر بار آئی
چٹک کر کہتے ہین، غنچے بہار آئی بہار آئی

ہمارے رنج مین حصہ لیا سب اہل گلشن نے
نسیم آئی پریشان حال شبنم اشکبار آئی

گریبان چاک گل شبنم ہے گریان بلبلین نالان
ریاض دہر مین غم آفرین اب کی بہار آئی

پریشان ہو جگر دل مضطرب ہے آنکھین روتی ہین
قیامت کی گھڑی آئی کہ شام انتظار آئی

محبت مین ہے انکے وصل سے انکا خیال اچھا
کہ وہ اک بار آئے یاد انکی بار بار آئی

وصال یار کی حسرت جو اب تک زینت دل تھی
وہی بعد فنا کچھ خاک اڑاتی تا مزار آئی

یہ چتی بندشین ہین توڑ دیگا جوش آزادی
قفس مین رہ نہین سکتے اگر فصل بہار آئی

جھلک امید کی پاتا ہون کچھ کچھ تیرہ بختی مین
بڑھی ظلمت تو مین سمجھا کہ شام انتظار آئی

محبت مین نگہ وابستہ ہے جوش طبیعت کی
یہ جب حیرت زدہ اٹھی تو وہ دیوانہ وار آئی

قفس والون سے کیون کہتے ہو اظہر قصۂ گلشن
انھین کیا گر خزان آئی انھین کیا گر بہار آئی

جام صہبائی

ازجناب عبد السمیع صاحب پال اثر صہبائی ایم اے ایل ایل بی وکیل سیالکوٹ

مرتا ہون اگر بادۂ گلفام نہین،
پیتا ہون تو پینا بھی خوش انجام نہین

یہ زیست اک اضطراب پیہم ہے اثر (۱)
حاصل کسی پہلو مجھے آرام نہین

باقی نہین کچھ بھی داغ حسرت کے سوا
کیا حاصل زیست ہے خجالت کے سوا؟

اُٹھ اُٹھ کے فرو ہوئے ہزارون طوفان (۲)
اب کچھ نہین گریۂ ندامت کے سوا،

مطبوعات جدیدہ

اصلاح المسلمین ازجناب سید محمد ادریس صاحب پنشنر تحصیلدار، حجم ۱۰۰ صفحے، کاغذ عمدہ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت ۴ر مولف سے تاج گنج آگرہ سے طلب کرین،

جناب سید محمد ادریس صاحب پنشنر تحصیلدار نے جو تلاوت قران پر مداومت رکھتے ہین، مسلمانون کے موجودہ دور انحطاط سے متاثر ہو کر ان کے سامنے قران مجید کی ایسی تعلیمات پیش کی ہین، جو انھین ترقی کی راہین دکھلائین اور اس مجموعہ تعلیمات قرانی کو "اصلاح المسلمین" کے نام سے موسوم کیا ہے، اس مین قران مجید سے سورۂ فاتحہ، اور قران مجید کی توصیف خود آیات قرانی سے نقل کرنے کے بعد قران ہی سے حمد و نعت بیان کیگئی ہے، اور پھر آیات قرانی سے اخذ کرکے انسان کی پیدائش کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر قرآن مجید کے مختلف اوامر و نواہی، جو مختلف ابواب عبادات معاملات اور اخلاقیات سے تعلق رکھتے ہین، یکجا کئے گئے ہین، ضرورت ہے کہ مسلمانون مین رسالہ کو عام طور پر شایع کیا جائے کہ اسکی تالیف کا اصل مقصد حاصل ہو،

کتاب العالم والمتعلم، (عربی) للامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمہ اللہ ناشر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ شفاخانہ محمودیہ، جلال کوچہ، حیدرآباد دکن، حجم ۳۰ صفحے لکھائی چھپائی اچھی، کاغذ اوسط درجہ،

حیدرآباد دکن کی مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کا تعارف کسی گذشتہ پرچہ مین کرایا گیا ہے، اس مجلس کا مقصد متقدمین ائمہ و علمائے احناف کی غیر مطبوعہ کتابون کو شائع کرنا ہے، مسرت ہے کہ اب اس مجلس نے علمی خدمت شروع کردی، اور سب سے پہلے امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے ایک رسالہ کتاب العالم والمتعلم کو شائع کیا ہے، یہ رسالہ عقائد و کلام کے چند اہم مسائل کفر و ایمان اور معاصی وغیرہ کی تشریح پر مشتمل ہے، اور جسمین متعلم کی جانب سے سوالات ہین اور امام اعظم

کی جانب سے جوابات درج کئے گئے ہین، رسالہ کے راوی ابو مقاتل ہین، رسالہ کا تذکرہ کشف الظنون مین آیا ہے، لیکن معلوم نہین کہ یہ رسالہ کس قلمی نسخہ سے نقل کیا گیا ہے، ضرورت تھی کہ مقدمہ مین ان امور کی تشریح دیدیجاتی، اور نیز عنوان مباحث قائم کرکے فہرست مضامین بھی منسلک کیجاتی،

شرح کتاب النفقات (عربی) الحسام الدین عمر بن عبد العزیز الصدر الشہید حجم ۵۷ صفحے،

یہ دوسرا رسالہ ہے، جسکو مجلس مذکور نے شائع کیا ہے، یہ رسالہ امام ابوبکر احمد بن عمرو بن مہیر الخصاف الشیبانی متوفی ۲۶۱ھ کے رسالہ کتاب النفقات کی شرح شیخ حسام الدین عمر بن عبد العزیز الصدر الشہید ۵۳۶ھ کے قلم سے ہے، اسمین مختلف قسم کے نفقات، اخراجات کے وجوب اور ان کی ادائی کے مسائل کی تشریح مذہب حنفی کے رو سے کی گئی ہے، اس سلسلہ مین نفقہ مرضعہ، نفقہ صبی، اور نفقہ ضال و آبق کی تفصیلات ہین، پھر مختلف قسم کے اشخاص کی باہم مشترک اشیاء، مثلاً کوان، نہر، تالاب، اور دیوار وغیرہ کے مختلف اخراجات کی باہمی تقسیم و حصہ رسدی وغیرہ بیان کی گئی ہے، فہرست مضامین رسالہ کے ساتھ منسلک ہے، امید ہے کہ ہندوستان کے اہل علم اس مجلس کی ہمت افزائی اور اسکی مطبوعات کی اشاعت مین امداد دیکر اوس کو مزید خدمات کے مواقع دین گے،

الرفیق الفہیم لطریق التعلیم:۔ مترجمہ مولوی محمد معین الدین صاحب، حجم ۴۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت ۴ر مترجم سے قصبہ افضل گنج ضلع بجنور کے پتہ سے طلب کرین،

علامہ برہان الدین زرنوجی کا ایک رسالہ تعلیم المتعلم طریق التعلیم ہے، اسکو مولوی معین الدین صاحب مہتمم کتب خانہ حبیب گنج نے اردو مین منتقل کیا ہے، رسالہ مین علم فقہ کی تحصیل کے طریقے بتائے گئے ہین، اور اسی سلسلہ مین متعلم و معلم کے باہمی آداب، اور طرق تعلیم وغیرہ کے اصول بھی منضبط کئے گئے ہین، رسالہ کا مطالعہ عربی مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہوگا، نیز جو لوگ اسلامی نظام تعلیم مین تلامذہ اور اساتذہ کے باہمی تعلقات، اسلامی طریق تعلیم و اصول تدریس کا مطالعہ کرنا چاہین وہ اس رسالہ سے فائدہ اوٹھا سکتے ہین،

فضائل رمضان:۔ مؤلفہ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

حجم ۱۰۰ صفحے قیمت ۵ر پتہ:۔ جناب محمد احتشام الدین صاحب کتبخانہ یحیوی بستی نظام الدین اولیاء دہلی،

رسالہ "فضائل رمضان" کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، اسمین "فضیلت رمضان" "لیلۃ القدر" اور "اعتکاف" سے متعلق حدیثیں جمع کرکے ان کی تشریح کیگئی ہے، نیز سورۃ القدر کی تفسیر بھی شامل ہے، اور حدیثون کی تشریح کے ضمن مین مسائل صیام کا تذکرہ بھی آگیا ہے،

رنج و راحت:۔ از جناب چودھری سردار خان صاحب، پسروری، حجم ۹۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت ۱۲ر، مصنف سے گھوڑ گڑھی برکیس شہر لودیانہ کے پتہ سے طلب کر سکتے ہین

رسالہ "رنج و راحت" مین انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤن پر غور و فکر کے ساتھ نظر ڈالی گئی ہے، اور اس سلسلہ مین مقصد حیات انسانی، موت و حیات، جبر و قدر، حصول دولت، صرف دولت، تعلیم و تربیت، رسم و رواج، اور مختلف جذبات انسانی محبت، حرص، قناعت، امید و بیم وغیرہ کے مباحث زیر بحث آئے ہین، اور دکھایا گیا ہے کہ رنج و راحت حیات انسانی کے لوازم ہین، جو قدرت کی جانب سے ہر انسان کو عطا کئے جاتے ہین،

حیات احمد بن حنبل:۔ از مولوی شاہ محمد عثمان الدین صاحب پھلواری، حجم ۵۰ صفحے تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۸ر پتہ ۔۔ منیجر صاحب مجیبیہ بک ڈپو پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

اردو مین ائمہ اربعہ مین سے تین اماموں کے مفصل حالات شائع ہو چکے ہین، مولوی شاہ عثمان الدین صاحب پھلواری ندوی نے حضرت امام احمد بن حنبل کے سوانح و حالات پر یہ رسالہ لکھا ہے، جس مین امام موصوف کے تمام فضائل و حالات جستجو اور محنت سے فراہم کئے ہین،

رپورٹ کمیٹی تحقیقات سفر حج:۔ شائع کردہ فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹ سرکلر روڈ لاہور، حجم ۲۶۳ صفحے، کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت عہ

مجلس واضع قوانین ہند کی تحریک پر حکومت ہند کی جانب سے ہندوستانی حاجیون کے آرام و آسائش

دورہ کرکے اپنی رپوٹ حکومت کے سامنے پیش کی تھی، زیر تبصرہ کتاب اوسی رپوٹ کا مل اردو ترجمہ ہے۔ ۔۔۔
صاف سلیس اور روان ہے، امید ہے کہ اس زمانہ مین جب کہ اسی رپوٹ کی بنیاد پر حکومت کی جانب سے جاچون
کے متعلق چند مسودے اسمبلی کے آیندہ اجلاس مین پیش ہونے والے ہین، اس اردو ترجمہ کا مطالعہ اردو دان طبقہ مین
دلچسپی سے کیا جائے گا، اور نیز اس کا مطالعہ سفر حج اختیار کرنے والون کے لئے مفید ہوگا،

عالم خیال :۔ مصنفہ مولوی احمد علی صاحب شوق، ناشر منیجر صاحب صدیق بک ڈپو لکھنؤ حجم [illegible] صفحے
تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، **قیمت** عہر

منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی، کی مشہور مثنوی "عالم خیال" کسی تعارف کی محتاج نہین منیجر
صاحب صدیق بک ڈپو، لکھنؤ نے اس کا ایک خوبصورت اڈیشن حال مین شائع کیا ہے، اس مین [illegible]
شامل ہین، ابتدا مین جناب پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی کا مقدمہ ہے، اور پھر ہر رخ پر اب تک جو [illegible]
تبصرے شائع ہوئے ہین، ان کو ہر ایک رخ کی ابتدا مین درج کیا گیا ہے چنانچہ جناب مشیر حسین صاحب قدوائی [illegible]
ایٹ لا، سر شاہ محمد سلیمان، جناب سید مقصود علی صاحب اسھونی اور سید شبیر حسن صاحب بھوپالی کے تبصرے، ترتیب ہر رخ
کے ساتھ منسلک ہین،

مثنوی زیور اخلاق :۔ مولفہ جناب محمد وزیر الدین صاحب انصاری عاقل، حجم
۴۸ صفحے چھپائی، اور کاغذ عمدہ، لکھائی لڑکیون کے مناسب، قیمت ۸ ر، پتہ [illegible] :۔ مکتبہ ابراھیمیہ
اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

مثنوی زیور اخلاق مین چھوٹی چھوٹی حکایتین لڑکیون کیلئے نظم کی گئی ہین، چند حکایتون کے عنوان
یہ ہین، "ذکر شادی بنت رسول مقبول" "شوہر کو ایک دق کرنے والی بیوی، اور ایک امیر زادے کی شادی کی
دھوم" وغیرہ، مثنوی لڑکیون کے پڑھنے کے لائق ہے،

"م"